

اشبا الایام والبیعت

مَقْنَعًا

حضرت مولانا یزد عبدالحق صاحب غزوی



ناشر
حق پبلیشرز مارٹ لہائی بازار سیالکوٹ

دوسرا چھپو طبع دوم



حضرات کتاب اثبات الا لہام والبیعت باداثر اکتسابہ وراستہ
 الملقب بہ تصحیک الا نام علی تحقیق الکلام کا عنہ ان نام کتاب ہر سہ
 ظاہر ہے۔ آج سے تقریباً ایک سو سال پیشتر فقہور بقول مسند نام نہاد
 عالم مولوی غلام علی قصوری نے ایک رسالہ تحقیق الکلام نامی
 الہام و بیعت کے رد اور تصوف و سائیک کے باطلیت پر لکھا کہ
 بارے میں لکھا۔ اس میں کہی شک نہیں کہ اس فوج کے بغیر
 و عویدار گندم نما جو فروش عوفیوں نے ہر زمانہ میں اس کے ذریعے
 سارہ لوح عوام کے دین و مال کو لوٹا ہے۔ تاہم میرا تو یہ پیری کے پیر
 میں رہنروں کا قصور ہے۔ نہ اس فن کا چنانچہ اس وقت کے
 جید علماء اہل حدیث مثلاً لو اب صاحب یق حسن خاں صاحب سید
 نذیر حسین صاحب مولانا محمد حسین صاحب لاہوری۔ اور
 مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحی صاحب لاہوری کچھ ایمان اور
 تائید سے۔ ولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی۔ اہل حدیث و سید
 اہل حدیث غزنوی پاکستان لاہور کے والد بزرگوار حضرت مولانا
 سید عبدالباقی صاحب غزنوی نے یہ کتاب مسند الہام نامی

مولوی قسطنطین کو فاسشن کرنے اور الہام و بیعت کو
 کتاب و سنت سے شاکہ کرنے کے لئے لکھی۔ بعد میں عوام الناس
 کے توجہ کی خاطر مولوی محمد حسن صاحب مرحوم نے آج سے
 انیس برس پہلے اس کا ترجمہ اردو زبان میں شائع کیا۔ ضرور
 زمانہ سے یہ کتاب نا پید تھی۔ کہ جتنی اختلاف بقیتہ السلف حضرت
 صوفی محمد عبداللہ صاحب (فیض یافتہ عالم اعلیٰ صوفی سیہ بہار حضرت
 رشتہ دار احمد محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہ) بٹالوی محال داندہ سے بڑی اصلاح
 سیالکوٹ کی فرمائش پر حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی
 مدظلہ العالی نے شخصہ برہمی کریم فرمائی کہ تے ہوئے اپنے کتب خانہ خاص
 سے نکلوا کر بغرض مدد اللہ مرحمت فرمائی۔ بعد میں حضرت موصوف کی خواہش
 ہوئی۔ کہ عمری فیض رسائی کی خاطر اسس کو شمع کرایا جائے۔ چنانچہ
 اس بار عزیز کو اس نا چیز نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے
 کمزور کاندھوں پر اٹھائے گا بیڑا اٹھایا۔ جو آج اللہ کی توفیق سے
 پورا ہو کر آپ حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سبب ہے کہ یہ کتاب
 بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا باعث ہوئی۔ سب سے
 اخیر میں اختلافہ سید داؤد کے عنوان سے اسی موضوع پر ہندوستان
 کے دو مایہ ناز مسلم عالم مجدد اور محدث حضرات مولانا حضرت شاہ ولی اللہ محدث ثانی
 دیوبند (۴) حضرت مجدد الف ثانی مرہندی کے ارشادات کو شائع کیا جا رہا ہے۔
 میں اپنی ہمت سے نا چیز کو سندس کو حضرت مجدد کے نام

نامی معنون کرتا ہوں۔ سہ

ایں ہدیہ ناچیز کراؤتند قبولِ خاطر
باشتم عزیز و مفتخر ازم اہیبہ تخریق

طالبِ دعا

احقر فضل الحق کان اللہ لہ

ر شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ

5/-

قیمت پانچ روپے

بار دوم تعداد ۱۰۰۰

منظومہ :- اقبال پر تلنگ پریس سیالکوٹ شہر

جاء الحق في حق الباطل إن الباطل كان زهوقاً

له الحمد والعنه وله الشكر والنعمة له رسالة شريفة وكرامة
جميلة ودرر منكر من الهام وبهية ولقنن كلام فرقة ودية

التي لا اله الا الله
يا دولة الكائنات المستنيرة
الملكوتية
تتضح في الامام
على تحقيق الكلام

عليه السلام - اقبال - بسم الله الرحمن الرحيم -

۲۹۷۹
۲۷
۱۶۹۲۹

مستحق به

معلوم آنکه راقم الحروف دلایل اثبات الهام و بعیت از کتاب و سنت و
کلام کبری امت و درین رساله تحفه اخوان دینی نمود یقین که از مطالعه اش رفع شک و
و اوهام طالبان حق خواهد شد اما اهل تعصب و حسد ضرور چون و چرا خواهند نمود لهذا
بخدمت ایشان عرض میشود که اگر کدام دلیل از کتاب و سنت یا نقلی از کلام کبری
امست و از حد پیش گذرد مارا بجز سمع و طاعت هیچ جواب نیست و الا ناسخ اوقات
و تعصیب ضرور پادشاه به تسوید اوراق از آراء و کلمات فاسده نغزایند خود
را مصداق آیه کفره و من الناس من یجادل فی الله بغير علم و لا کتاب منیر
نگردان و از حضور بسیار غیور خوف نمایند و اتقوا یوما تخرجون فیه الی الله ثم توفی کل
نفس ما کسبت و هم لا یظلمون و الله اعلم بالصواب که این رساله در اصل به زبان فارسی
بود جناب مستظلال بسیار صاحب دقت و ثاقب و مالک فهم صاحب شایسته
نویسندگان و قلمی سلیس و زیاده مولوی محمد حسین صاحب
تفسیر و دیوانه به کمال آشنایان و فایده انام به زبان سلیس از دوح تفصیل
در شرح این مختصرات نقل و اختصار در محل تطویل محل ترجمه نموده است
حمدان الله عن شر الناس و انساب خیراه الله فی الدارین خیرا

بسم الله الرحمن الرحیم

بِالْقِيَامِ عَلَى الْبَارِئِ فَيَدْفَعُ مَا هُوَ أَهَقُّ لَكُمْ وَأَنَا تَصِيفُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي جعل البيعة موجب الرضوان والسلام
وخص بعض عباده بالتحديث والالهام والصلوة والسلام
على من بيعته بيعتنا الرحمن بحكم القرآن وبيعتنا خلفائه
بيعتته كما بيعته بيعة النبي صلى الله عليه وآله واصحابه واتباعه
الذين فيهم من فازوا بتكليم الغيب والاعلام وناووا مقام الخلفاء
من الله الملك العلام

بعد حمد و صلوة کے برادران دینی کو روانہ ہو۔ جو سب سے بارہ سو اٹھانوہ
ہجری میں ایک رسالہ مولفہ مولوی غلام علی قصوری راقم الحروف کی نظر سے پڑا۔
بنظر انصاف و تحقیق اول سے آخر تک بغور و فکر تمام اس کا مطالعہ کیا۔ اخلاط لفظی
اور اختلال معانی اور مخالفت اور نقص کلام کے سوا یہ بڑا نقص نظر آیا کہ اس کی
تعلیمات سراسر طریقہ اہل حق کے برخلاف ہیں۔ اور مصنف کو اہل اللہ سے عناد ہے
بہر خیال آیا کہ مبادیہ خود اپنی فہم کا تصور ہو۔ اعتیاداً پانچ نسخے رسالہ مذکورہ کے
خرید کر نامی گرامی علماء کی خدمت میں روانہ کئے۔ پہنا نچہ ایک رسالہ بخیر مت مولانا
سید محمد نذیر حسین صاحب مدظلہ، دوسرا بخیر مت سید نواب صدیق حسرت صاحب
تیسرا بخیر مت شریف مولوی محمد حسین صاحب لاہوری، چوتھا بخیر مت سامی مولوی

22.3.71

مذکورہ بالا تحریر

PKS.

5.00

عبداللہ صاحب لکھنوی اور ایک رسالہ اپنے مطالعہ کے واسطے رکھا۔ تاکہ مکرر
 نظر کی جائے۔ چونکہ محض احقاق حق منظور تھا۔ خود بھی نظر انصاف سے دیکھا۔
 اور دیگر ہر گاہ سے ہوا اپنے وقت میں اساتذہ فن حدیث و تفسیر میں۔ انتہوی
 کیا۔ الحمد للہ کہ سب کی رائے میری رائے سے موافق اور متفق ہوئی۔ یہ ایک
 معتبر دوست کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ نواب صدیق حسنین صاحب سلمہ اللہ
 نے مولوی غلام علی کے رسالہ کو دیکھ کر یہ بھی کہا۔ کہ ہم آج تک مولوی غلام علی
 کو عالم جانتے تھے۔ مگر اس کی اس شخصیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بالکل علم
 سے عاری ہے۔ اور محض سیاہی اور مولوی بدیع الزمان کو فرمایا۔ کہ آپ مولوی
 اس کا رو لکھیں۔ اور وہ رسالہ بھی انہیں کو دے دیا۔

نقل از خط مولوی سید محمد زکریا حسین صاحب

از عاجز محمد زکریا حسین بمطالعہ گرامی مولوی عبد الجبار سلمہ الشفار عن شراثرانہ
 بعد از سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح باد کہ نامہ نامی مدد رسالہ شخص معلوم
 رسیدہ کاشف مدعا گردیدہ منشا الیہ از مذاق اہل شرح عداۃ و کجۃ جہم من انظار
 الی النور و شرح اسباب آن رہنچور است۔ لہذا در رسالہ او اختلال مالا قالی
 واقع شدہ تقسیم ناقیل ہے بے بصیرت چہ شناسد سخن کاہل را تلخ و شیرین
 بہ مذاق دلی رہنچور کیست۔ لازم کہ آن صاحب از متمسکات کتاب و سنت و
 کلام کتبہ اسے امرت از سلف و خلف تحقیق بعنوان احسن مجاہد می نماید۔ در
 سیر تحریر آلودہ آلودہ گوشتی ہر بیہوش سازند کہ حق حقیق از شائبہ باطل
 متمیز بودہ پیرایہ حلال اہل سلوک گردد۔

نقل کی جاوے گی۔ اور جواب لفظ ہر ایک لکھا جائے گا۔ اب اصل مقصود کو شروع کرتا ہوں۔ اور خداوند کریم سے اعانت چاہتا ہوں۔ مخالفانہ اور یہ چار مذاہب حنفی شافعی مالکی حنبلی کیسے ہیں۔ اور کب سے بنے ہیں الی قولہ خود بخود معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب بدعت اور مستحدث ہیں۔ دھل آیا؟ مذاہب اربعہ حق ہیں۔ اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے۔ جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے۔ اور باہم سب دشمن نہیں کرتے۔ مثل خوارج اور روافض کے صلحاء اور آئمہ دین کی محبت ہرگز ایمان ہے۔ اور عداوت ان کی طریقہ خوارج کا اور ایک مذاہب کے واسطے تعصب کرنا شیعہ لوگوں کی طرز ہے۔ صراط مستقیم مابین افراط و تفریط کے ہے۔ احسننا الصراط المستقیم۔ مخالفانہ اور کہتے تھے۔ کہ نماز جو ہم پڑھتے ہیں۔ فقراہل اللہ کی صحبت میں رنگ اور ہی پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ سب اقوال اہل علموں کے ہیں۔ اور بھال کے خرافات اگر میں بیان کروں۔ تو کئی دفتر بن جائے ہیں۔ اصل ایسا۔ بیشک اہل اللہ کی صحبت میں عبادت کی اور ہی لذت اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ حضرت رسالت مآب صلعم کے اصحاب کرام کے حضور و صحبت کی برکت سے ایسی توجہ دلی سے نماز پڑھتے کہ دشمنوں کے تیر بدن میں گھس جاتے۔ اور فرط حلاوت سے جب تک نماز سے فارغ نہ ہوتے۔ اپنی حالت کی طرف توجہ نہ کرتے۔ یہ قصہ ابو داؤد میں ہے۔ مصنف نے اس قسم کا شروع و حضور و تبتیل الے اللہ کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ اس لئے منکر ہو بیٹھا۔ صوفیاء کرام

کہے ایسی حالات ہزاروں نے دیکھے ہیں۔ اگر بعض مسائل میں ایسے
 بزرگوں سے خطا بھی ہو جائے۔ تو تہذیب و لقیہ و حجب موتی بزرگوں
 کے دل و جان کی روح ہے اُن کو نور و تجلی بخشا ہے۔ یکا در ذیل
 یضییع فی لیل لم تفسدہ نورہ علیہ نور یہود و نصاریٰ و
 من یشاء اللہ نور کی مثال بیان فرماتا ہے۔ قریب ہے قریب
 اس کا خود ہی روشن ہو جائے۔ اگرچہ نہ چھوٹے اس کو آگ لڑے۔ نہ
 اوپر نور کے راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ واسطے اپنے اور کے جس کو چاہے
 صحبت کے برکات و فوائد احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہیں۔ فرمایا
 کہ صحبت صالح کی مانند صحبت مشک فروش ہے۔ جو پاس بیٹھے گی۔
 بے نصیب نہ رہے گا۔ صحیحین میں ہے۔ فا کریں منہا ایسی قوم ہیں۔
 جو اُن کا ہم نشین محروم نہیں رہتا۔ اگر مصنف کو اس کیفیت کی خبر ہو تو
 انکار نہ کرتا۔ اہل غفلت اور اہل اللہ کی نماز کو باہم کچھ نسبت نہیں انکار
 جل شانہ فرماتا ہے۔ فویل للصلین الذین دھروا صلاتہم
 فہم ساء صوف پس تباہی ہے واسطے ان نمازیوں کے جو اپنے
 نماز سے غافل ہیں۔ اور فرمایا۔ قد افلح المؤمنین الذین دھروا
 فی صلاتہم خاشعون بیشک کامیاب ہوئے وہ ایمان والے
 جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو ہرگز نہ
 دیکھو۔ غافلوں کی نماز سبب ویل اور خرابی کا فرمایا۔ اور خشوع کریمہ الہیہ
 کی نماز موجب فلاح اور خلاصی کا۔ اور حضرت رسالت فرماتے ہیں۔ ان
 العبد لیقض من صلاتہ و لم یکتب لہ منہا الا نصفہ الا ان یصلی
 قال الا عشاء خلاً کا بزرگ نماز کو پڑھ کر فارغ ہو بیٹھتا ہے۔ اور

نامہ اعمال میں اس کے لئے نماز میں سے کبھی نصف لکھا جاتا ہے۔ کبھی
تہائی۔ یہاں تک فرمایا کبھی دسواں حصہ رواہ اصحاب السنن یہ کسی بیشی
توابع کی پیروی قلت اور زیادت خشوع اور حضور نمازی کے ہے۔ وہ نہ بحسب
ظاہر تو سب نمازی برابر ہیں۔ ان لفظوں پر اگر مصنف غور کرتا۔ تو بیشیت
الہی شاید حقیقت امر اس پر منکشف ہو جاتی۔ **صغیر** یہ اشغال
پیری مریدی کے شرع میں کچھ اصل نہیں رکھتے۔ **وہل** ایسا کہنا
محض غلط ہے۔ بڑی زیادتی کی بات ہے۔ صوفیا کرام کے اکثر اشغال اذکار
قرآنیہ اور ادعیہ نبویہ ہیں۔ اور مراقبات بحکم لفظوں ثابت ہیں۔ جن سے
دلی کو حیوۃ اور نور حاصل ہوتا ہے۔ اور رجوع الی اللہ اور انابت اور
انقطاع اور خشیت اور تذلل پیدا ہوتا ہے۔ مراقبہ معیت اور قرب و
صمدیت بہت آیات قرآنی سے ثابت ہے۔ جیسے وہو محکم ایمن
کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں تم ہو۔ اور آیت روشن اقدار
الرب من جبل اللہ مرید ہم انسان کی طرف اس کی رگ جان سے زیادہ
قرب ہے۔ اور آیت قل هو اللہ احد اللہ الصمد پس مصنف کا اشغال
و افکار کو سب سے اعلیٰ کہنا بے علمی کا سبب ہے۔ بیشک امر عجیب اور بدی
تھا کہ کسی قوم میں مروج ہو۔ شرعاً کچھ قدر نہیں رکھتا۔ اور اللہ
ایسا جو برابر نہیں۔ صوفیہ کا ایجاد ہو یا کسی اور کا احداث اس طائفہ
کی نسبت بڑی غنیمت ہے۔ مقام انقطاع و تنزل و خشیت و تذلل و قناعت
توکل و انابت کا حاصل ہونا سوائے التزام اشغال و اذکار مروجہ طائفہ
صوفیہ ثابتہ من سنت النبویہ کے بہت مشکل ہے۔ اور ان کی برکت سے
ان صفات محمودہ کا حاصل ہونا یہ تجربہ ثابت ہے۔ اور امر یہی الثبوت کا

انکار (خروج القادر ہے) **مخالطہ** اتفاقاً میں رسالہ قبل المحمل
 فصل اول اس کا جواب بحث مسئلہ بیعت میں انشاء اللہ بتفصیل لکھیں
 گئے۔ اس جگہ تحریر کرنے کی حاجت نہیں۔ **مخالطہ** پھر قاعدہ محمدیہ
 پر اطلاع پائی۔ وہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جس امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا یا کیا۔ اور اصحابوں نے اس کو بالا جماع نہ کیا۔ اور ترک کیا۔ وہ
 قول اور عمل حکم منسوخ ہونے کا کہتا ہے۔ **مخالطہ** جس امر کا ترک
 یا جماع صحابہ بنفصل صحیح ثابت ہو جاوے۔ تو یوں جب قاعدہ محمدیہ کے
 اس کا مترادف القائل ہونا دلیل قبیح ہے۔ اور اگر کسی کو عمل صحابہ
 کی روایت نہ پہنچے۔ تو اس کے عدم علم سے منسوخ ہونا لازم نہیں
 آتا۔ بے خبری کا نام جہالت ہے۔ اور جہالت شریعت کی ناسخ
 نہیں ہو سکتی۔ اور مصنف کا یہی دعوے ہے کہ مجھے مکمل درجہ احمد
 صحابہ کی بیعت کے معاملہ میں کوئی روایت نہیں ملی۔ اور اسی
 لیے علمی کا نام جہل ہے۔ مصنف یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ترک بیعت
 صحابہ سے بالا جماع ثابت ہے۔ فقہ پر اور انشاء اللہ تعالیٰ قریباً
 شخص نہیں رہتا میں ہم اس قاعدہ کو مفصلاً ذکر کریں گے۔ **مخالطہ** اس
 طرح مسئلہ صفات ایک بزرگ کے فریاد سے رسالہ حمویہ
 تصنیف شیخ الاسلام عبد السلام ابن تیمیہ کا کہ بخشش اور بیعت
 خلیفہ تھا۔ مجھ کو مل گیا۔ اس کو بھی تحت تمام سے مطالبہ کیا۔ اور
 اس کے مضامین پر واقف ہوا۔ اور عقائد متکلمین کے کہ مدت عمر
 سے مرکوز خاطر تھے۔ اللہ کے فضل سے بالکل ہو گئے۔
مخالطہ یہ بزرگ وہی شخص ہے۔ جن کے طعن و عیب کی

کے واسطے مصنف نے یہ رسالہ بنایا ہے۔ خود اقرار کرتا ہے۔ کہ ایک ہزر گ کے طغیل رسالہ حمویہ ہاتھ آیا۔ جو مصنف کی درستی عقاید کا سبب ہوا۔ اور بجائے شکریہ نعمت کے یہ رسالہ جو عجوبہ طعن و تشنیع ہے۔ لکھ کر چھپوایا۔ وما نقموا ان اغناهم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتقوا ایلے خیر اللہ علیہ آپ کو علاوہ درجہ اجتہاد کے مصنفین اور علم تاریخ میں بھی بڑا درخشاں ہے۔ لکھتے ہیں رسالہ حمویہ تصنیف شیخ الاسلام عبدالمسلم ابن نمیرہ کا (اور وہ اصل میں احمد بن عبدالحسین کی تالیف ہے۔ اس کی وہی مثل ہے)

چونکہ خوش گفت است سعدی در زنجاب الا یا ایہا السانی اور کا ساونا و لہا **صعاطط** اور ہاتھ سے ہاتھ لے کر ملانا اس عہد کے علامات اور امارات ہیں۔ نفس بیعت میں داخل نہیں۔ **ھل او** بیعت کے وقت ہاتھ پکڑنا عقد و عہد فعلی ہے جس سے تاکید و پختگی عہد لسانی کی مقصود ہوتی ہے۔ اور عقد فعلی عقد لسانی کی علامت اور نشانی نہیں بلکہ ایک مستقل عہد ہے۔ **عدۃ اللہ من کاخذ الکف**

مومن کا زبانی وعدہ (پختگی میں) ماننا پکڑنے ہاتھ کے ہے (جیسے اقوال کے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اور اس کو پکا وعدہ سمجھتے ہیں) مومن کا زبانی وعدہ ایسا ہے۔ عقد لسانی۔ جس کو عقد فعلی سے قوت دی جاوے۔ محض عقد لسانی سے ضرور زیادہ معتبر اور مضبوط ہوگا۔ **اللہ ففی قاید یلہم جنہوں نے پیغمبر خدا صلعم سے بیعت کی۔ ان کے حق میں فرمایا۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس آیت**

سے عہدِ نبوی کی۔ کس قدر عظمت اور بزرگی ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہاتھ
 میں ہاتھ لینا محض علامتِ عہدِ لسانی ہوتا۔ تو اس قدر فضیلت ہوتی۔
 مگر بات سمجھنے کی واسطے عقل درکار ہے۔ طرفہ یہ ہے۔ کہ یہاں ہاتھ
 میں ہاتھ لینا علامتِ پھر آیا ہے۔ اور صفحہ ۱۹ میں زیادہ بات بتلایا ہے اور
 صفحہ ۲۰ میں مسنون بلکہ صفحہ ۲۱ میں طریقہ حسنہ نبویہ لکھا ہے۔ ان
 عبارتوں کو راقم نے (۹۰) اور نمبر (۹۰) اور (۹۱) میں بعینہ نقل کیا ہے۔

معالم ۸۔ اور بیعت مروجہ یعنی پیری و مریدی کے علامات
 غیر منحصر ہیں۔ بعضوں نے اس کے علامات چار اوردہ کی صفائی ٹھہرائی
 ہے۔ اور بعضوں نے سر کے ٹھوڑے سے بال کتر لینا اور بعضوں نے
 داغ کندے پر دینا اور کوئی بھنگ کا پیالہ پلا دیتا ہے۔ اور کوئی کندھہ
 اور قلابہ ہاتھ میں ڈالی لیتا ہے۔ جب یہ قریب علماء تک پہنچی اور علماءوں
 نے دیکھا کہ اس کسب کا بڑا عروج ہے۔ تو انہوں نے ان سب
 واہیات کو چھوڑ کر پہلے پیری مری کی علامت خرقہ دینا شروع کیا۔ انتہی
 مختصر۔ **صل افس** کس کتاب میں لکھا ہے۔ اور کون کہتا ہے
 کہ رواج خرقہ سے پہلے علامتِ بیعت یہ منکرات تھی۔ اگر دعویٰ
 ہے تو کسی کتاب کا حوالہ دو۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ قول سراسر جھوٹ
 ہے۔ اگر تمہارا کہنا ٹھیک ہو۔ تو پھر ان منکرات واہیات کو مباحق بالسلطنت
 اور حسنات کہنا چاہئے۔ کیوں کہ اتباع تبع تابعین میں خرقہ کا عام
 طہ پر رواج ہو گیا تھا۔ اگرچہ جلال الدین رحمہ اللہ نے اختلاف
 الفرقہ بل وصل الخرقہ میں اور مولوی عبد العزیز ملتانی نے
 کوثر النبی میں علی مرتضیٰ سے اعطاء خرقہ کی تصریح کی ہے۔ اور بعض

محدثین نے سند خرقہ کیل بن عیاض تک جو حضرت مرتضیٰ کے اصحاب سے تھے۔ اور اویس قرنی تک جو اصحاب عمر فاروقؓ سے تھے بصحت پہنچایا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں سخاوی سے اس بات کو نقل کیا ہے۔ اور شیخ قسطلانی نے حافظ ابن حجر سے مگر محدثین کو ان روایات کی تصحیح میں گفتگو ہے۔ قول صحیح وراجح یہ ہے۔ کہ روایت خرقہ شیخ جنیدؒ اور ان کے ہم عصروں سے تھا۔ جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور صاحب انتباء نے بعد بحث کثیر کے اور ثواب صدیق حسن خان صاحب نے اس قول کو صحیح اور راجح کہا ہے۔ اور ولادت و وفات شیخ جنید مابہ ثالثہ میں ہے یا فنی وغیرہ۔ اہل تواریخ نے اس کے ساتھ تصریح کی ہے۔ ہمعصر امام احمد اور بخاری کے ہیں۔ اور وہ اتباع تبع تابعین میں سے ہیں جب کہ خرقہ اتباع تبع تابعین سے ثابت ہے۔ گو دیگر روایات معاذ اللہ بقول مصنف افعال صحابہ و تابعین ٹھہرے۔ اور پھر ان کو روایات کہنا ضبط اور جنوں ہے۔ **مرغی الطیر** اس کے بعد جب انہوں نے اس امر میں خسارہ دیکھا۔ کیوں کہ ایک دن میں سینکڑوں مرید بن جانے لگے۔ اور روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے۔ **ہل اسیہ** یہ تمہاری بدی ہے۔ خوب عادت پکڑی ہے۔ اپنے نفس کا تڑکیہ کرنا۔ اور آیتین کو عیب لگانا۔ مقام غور ہے۔ کہ اس طریقہ کے پیشوا مانسہرہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و حضرت جنید بغدادیؒ و حضرت بایزید بسطامیؒ و امثال ان کے پیری مریدی واسطے عروج اور عزت دنیا کے کرتے تھے۔ جیسا مصنف کہتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ بخل کے باعث

خرقہ پہننا ناچھوڑ دیا۔ اس پر یہ مثال صادق آتی ہے۔ کمالی خاں دینار
 شیعہ ہماغیہ ایسے کام علماء ظاہر پر سنت کے پہنچتے ہیں۔ جو مساکین
 کا حق بھی کھا جاتے ہیں۔ اور عدل کو کیا دیویں گے۔ محو فساد کے نام
 پر بڑے غیق ملک عظام درہم و دینار کو ٹھیکری براہ نہیں سمجھتے۔ پر
 طرف سے مال بیٹھا رہتا ہے۔ اور خلق اللہ پر فی سبیل الخیر نشانہ
 کر دیتے ہیں۔ انہی کچھ منقولہ کلام کا اہل کفر و کفر لہذا اولیاء
 فخر الاصفیاء مولوی عبداللہ غزنوی رضی اللہ عنہ کا حال ایسا دل
 اور دیکر ہمدردوں سے دریافت کریں۔ جس کا اصل بیان اس
 واسطے شروع کریں بیعت کر کہ ایک طریقہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے منقول تھا۔ شروع کیا۔ اہل اہل بیعت
 مسند نہ کو خود ہی طریقہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا اور پھر
 بدعات میں شمار کرنا اس قسم کی فریب دہی ہے۔ جیسے ملحد
 کہا کرتے ہیں۔ جو کوئی فرقہ شریک اور عبادت غیر اللہ سے خالی
 نہیں۔ تمام مذہبوں میں عبادت غیر اللہ کا رواج ہو گیا ہے۔ کوئی
 ستارہ پوجتا ہے۔ کوئی بتوں کو بعض قبور انبیاء و اولیاء کو پوجتے
 ہیں۔ اور بعض فرشتگان خدا کو۔ کوئی انبیاء کو معبود بکھڑاتا ہے۔ کوئی
 کعبہ اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کو مسجد ٹھہراتا ہے۔ ایک گنگا جانا
 ہے۔ اور ایک زیارت قبور انبیاء و اولیاء و بیت اللہ کو کسی نے
 مندر مکانی کو ٹھہر کر مانا اور کسی نے بیت اللہ اور مساجد کو واجب
 اور ظہیم جانا غرض ایسے تلبیسات و شبہات سے لوگوں کے ذہنوں
 میں شک ڈالتے ہیں۔ اور حق و باطل کو خلط کر کے طرف الحساد

کی لے جاتے ہیں۔ جو سنت حضرت رسالت سے بتواتر لفظی و معنوی ثابت ہو۔ اس کو بدعات مستحدثہ صوفیہ میں شمار کرنا اہل الحاد کا کام ہے۔ خدا عز و جل ہم سب کو اور مصنف کو اس سے بچائے۔

صغالیہ میں الہیوت کرنے میں ہر فرق نے اپنا اپنا طریق علیحدہ علیحدہ مقرر کیا۔ کسی نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر مرید سے کلمہ شہادت پڑھانا اور تجدید ایمان کرانا شروع کیا۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ سوئے پیری و مریدی کے انسان کافر ہوتا ہے۔ اور قبل الہیوت بے ایمان تھا۔ **اُپ** میں کلمہ شہادت جو نماز اور خطبہ اور اذان و دیگر مقامات میں پڑھا جاتا ہے۔ بیشک اس سے تجدید ایمان کی جاتی ہے۔ اب تم کہو کیا ان مقامات میں کلمہ پڑھنے سے پہلے آدمی کافر ہوتا ہے۔ اور یا ایمان والے کے حق میں کلمہ پڑھنا لغو ہے۔ مصنف بیچارے کو ظاہر آیات کلام اللہ سے بھی خبر نہیں۔ ایسی لاف زنی کی کیا ضرورت تھی۔ (کہ قرآن و حدیث کی ہمارے قوت استدلال پیدا ہوئی) آپ کی تصنیف ہی آپ کے دعویٰ کو جھٹلاتی ہے۔ تصنیف گواہ اور دست کہ قورنش درست نیست شاید پارہ اول بھی نہیں پڑھا۔ **اذا قال لا اشرک الا بالله** اسلمت لرب العالمین کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حکیم الہی تجدید اسلام کی۔ تو بقاعدہ مصنف کا لازم ہو گا کہ اس سے پہلے معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کافر تھے۔ جب غریب کو پہلے پارہ کی خبر نہیں۔ تو سورت نمل کا قصہ کہاں سے جانتا۔ ملکہ سبا نے کہا۔ **اسلمت مع سلیمان** اور اس سے پہلے ہے۔ کہ ہم اس سے پہلے جان چکے تھے۔ اور یہ سب اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ پہلے

رب العالمین نے اپنے رسول کو اس کی مدد و امت کا حکم دیا۔ اور رسول
 خیرا نے امت کو سکھایا۔ اُس کا انکار فیضانِ غیبی سے حرمیان کی عداوت
 ہے۔ کہیا آپ روزِ کلمہ شہادت کو تحصیلِ حاصل سمجھتے ہیں۔ یا بخیر
 لزمِ اقرار کفرِ بزمان سابقہ کلمہ پڑھنے سے منکر ہیں۔ **وَمَنْ خَالَطَ** اور
 کہی اُس طرح پر کہ لا کھد میں ہاتھ لے کر خود الحمد للہ پڑھتا ہے۔ اور
 بعض اذکار دیکر عریض سے کہتا ہے۔ کہہ توبہ کی میں گناہوں سے اندر کہتا
 ہے اسے بیٹا نماز پڑھنا روزہ رکھنا انتہی مختصر۔ **فَصَلِّ اِلَیَّ** مہضت
 کی عبارت میں کسی قدر تقدیم تاخیر سہجہ واقع ہوتی ہے۔ مگر کچھ مفسر
 مطلب نہیں۔ مقصود حاصل ہے۔ مہضت کی نحو بی دیکھو۔ جو تقدیم
 قاتحہ اور تاکید نماز روزہ اور توبہ اور ذکر الہی کہ بدعات و
 کفریات مستحذہ میں داخل کرتا ہے۔ ان تعلیمات اور اشتغال پر طعن
 کرنا دشایانِ مومن نہیں۔ حضرت رسالت اپنے اصحاب کو فائز
 تعلیم کرتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت نے ابو سعید رضی اللہ عنہ
 کو فرمایا۔ **اِنَّ اَعْلَمَ اَشْیَاخٍ اَعْظَمُ سِرِّیْنِ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ**
لِللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ **هٰذَا السَّبْعُ الْمَشَافِیْہِ وَالْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ** کیا
 میں نہ سکھاؤں۔ تجھے سب سے بڑے درجے والی سورت قرآن
 میں وہ الحمد للہ رب العالمین اسی کا نام ہے۔ سبع مشافہ اور یہ ہے
 قرآن عظیم ترمذی میں ہے۔ کہ ابی بنی کاتب رضی اللہ عنہ کو ارشاد
 کیا۔ **وَالَّذِیْ یُفْصِحُ بَیْدَہٗ مَا اَنْزَلْنٰہُ فِی الْاَنْفُسِ مَرَّةً وَ سَلَا**
فِی الْاَنْفِیْلِ وَ سَلَا فِی الْمَرْجِہِ وَ سَلَا فِی الْقَارِیْنِ وَ سَلَا فِی الْمَاقِمِ
 ہے۔ اس ذات کی جو میری جان اس کے قبضہ میں ہے۔ سیرۃ قاتحہ

ہی مشرف باسلام ^{موسیٰ بن جعفر} ^{طعن کرنا} ^{پہلے} ^{خبر} ^{مصدقہ} ^{کی} ^{مسائل}
 قرآنہ سے قرآن مجید میں حکم ہے ساتھ تجدید ایمان کے۔ یا ایہا
 الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ اے ایمان والو ایمان
 لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر یعنی اے ایمان والو تجدید ایمان
 کرو۔ اللہ کے سچے بندے ہر وقت تجدید ایمان کرتے رہتے ہیں۔
 حافظ ابن القیم نے مدارج میں لکھا ہے۔ درکان شیخ الاسلام
 ابن تیمیہ اذا ثنی علیہ فی وجہہ یقول واللہ انی
 الی الان احب داسلامی کل وقت واما سلمت بعد
 اسلامہ ما جدیداً۔ یہ تو بتلائے کہ نماز کی دعائیں ماثورہ بھی یاد ہیں
 یا نہیں۔ آپ کے نماز اختصار نماز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید
 نہ جانتے ہو۔ حضرت رسالت رکوع و سجود میں فرمایا کرتے۔ بادے
 امنت و لا افساس امنت اور حکم دیتے کہ سونے وقت کہو۔ امنت
 بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی امر بسلمت میں
 ایمان لایا تیری اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور نیرے نبی پر جو
 تو نے بھیجا۔ کیا اس تجدید ایمان سے نہ مانہ سابق کا کفر لازم آدیکا
 کلام لغو ہوگی۔ ۲ حضرت فرماتے ہیں۔ افضل الذین کمالہ
 لا اللہ رواہ الترمذی وابن ماجہ افضل الذکر ہے۔ لا الہ الا اللہ
 پر طعن اور موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اسے پروردگار تو مجھے سکھلا
 کوئی رعایوں کے ساتھ میں تجھ کو پکاروں پس حکم ہوا قل لا الہ
 الا اللہ تو کہہ لا الہ الا اللہ رواہ البغوی فی شرح السنن ان
 احادیث سے فضیلت کلمہ توحید کی ثابت ہے۔ یہ ایسا ورد ہے۔ کہ

جیسی کوئی سورت تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن مجید میں
نہیں شامل کی گئی۔ اور داری اور یہی نے روایت کیا ہے۔ فی
الحقیقۃ الكتاب شفاء من کل داء سورۃ الحمد میں ہر بیماری
سے شفا ہے۔ اس تعلیم اور بیان فضیلت سے یہی مقصود تھا۔
کہ اس کا التزام کریں۔ اور وظیفہ پکڑیں۔

مغالطہ ۱۳۔ اور عورتوں کی بیعت کا یہ طریق نکالا

ہے۔ کہ ایک برتن میں پانی ڈال کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
داخل کر کے یا کپڑا ایک طرف سے آپ پکڑ کر اور دوسری
طرف سے عورت کو پکڑنا وہی اذکار جو پیچھے مذکور ہوئے اس کو
پڑھنے والی قولہ اور صحیح ثابت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
عورتوں سے قولی بیعت کی۔ یہ افعال مستحذہ نہیں کئے۔

ہدایہ ۱۴۔ تم جو کہتے ہو۔ کہ صوفی لوگ عورت کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔ یہ بعض افسترا اور بہتان علی زمرۃ الاصفیاء
ہے۔ کسی نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ہاں اتنی بات بعض مشائخ
سے منقول ہے کہ وقت عہد لسانی کے ایک بڑے سے برتن میں
پانی ڈال کر اس کی ایک طرف میں پیر ہاتھ دکھتا ہے۔ اور دوسری
طرف عورت بیعت کرنے والی اور کچھ یووقت بیعت کپڑے کا ایک
کٹہر آپ پکڑتے ہیں۔ اور دوسرا کنارہ اس کو پکڑتے کا حکم
دیتے ہیں۔ فی الجملہ اس عمل کے واسطے کچھ ٹوسند سے سند ہے۔

عن حمزہ بن عبد المطلب عن ابیہ عن جده قال کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بايع النساء دعا
بقدر صاع فممن يبيعه ثوب شحم فممن ايديهن ثوب
روایت ہے کہ عمر بن شعیب سے وہ نقل کرتے ہیں۔ اپنے باپ
وہ اس کے دادا سے کہا۔ اس نے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس
وقت بیعت کرتے عورتوں سے منگاتے ایک پیالہ پانی کا۔ پھر
ڈباتے۔ ہاتھ اپنا اس میں پھر ڈباتی عورتیں اپنے ہاتھ اس میں
روایت کیا اس کو ابن سعد اور ابن مرددہ نے اور ابن اسحاق
نے مغازی میں وعن الشعبی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بسیال النساء وضع علی یدک ثوباً اخرجه سعید بن منصور
در ابن سعد و ابو داؤد و المرسل و عبد الرزاق و ایضا اور روایت ہے
امام شعبی سے کہا اس نے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کرتے
عورتوں سے اور کہا لیتے کپڑا اپنے ہاتھ پر۔ اس روایت کو بیان
کیا ہے ابو داؤد و عبد الرزاق اور سعید بن منصور اور ابن سعد
نے اگرچہ یہ روایت مرسل ہے۔ مگر بہت محدثین کے نزدیک
حدیث مرسل سمجھتی ہے۔ آئندہ ہم اس مسئلہ کو ان شاء اللہ
لغالی حدیث نمبر ۹ میں تفصیل لکھیں گے۔ مصنف صاحب بلوغ
الہرام آپ کا مبلغ حکم ہے۔ اگر کوئی مسئلہ بلوغ الحرام میں نظر
آیا۔ تو حکم لگا دیا۔ کہ اس مسئلہ کا کہیں وجود نہیں۔ ائمہ کیوں

کے تکفیر کیوں اسلئے قول صاحب تہذیب المتقادی کو کافی سمجھتا ہے۔
 صحیفہ جن کے اشیاء و اقوال کے لئے فی الجملہ کتاب و تصنیف سے
 استناد ہے۔ اور یہ طعنیں کیوں ایسے خود ایک کٹ کٹ کر لے کے کہنے سے
 مشارف کبیر کو کافر بتلانا عجیب طرح کا اجتہاد ہے۔ خود را فضیلت
 و بیگزینی را نصیحت۔ صغالطہ ۱۴۔ پس یہ عاجز الشہادۃ اللہ
 تعالیٰ بن سب امور منہجہ بلا کا تلخیص فیلیمہ۔ پورے قرآنہ
 احادیث صحیحہ یا حسنہ جواب دینا ہے۔ انشاء اللہ کہہ کر تہذیب
 حدیث اس میں داخل نہ کرے گا۔

حدیث اب۔ مصنف نے ایفاء و عذر نہیں کیا۔ و ملائ
 قرآنہ و حدیث صحیحہ تو درکنار کسی مثل جواب میں حدیث تہذیب
 بلکہ مفہوم یا کسی عالم کا قول یک نہیں لایا۔ جس قدر ہے اپنا
 طرف سے خیال بندی ہے۔ جو سراسر پورچہ ہے۔

صغالطہ ۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تارک مستحبات کو بھی
 ملامت کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک انصاری اونچی عالمی بنا سنے
 والے سے اعراض کیا۔ اور اس سے یہ گروہی فرمائی۔ حالانکہ اونچا
 کفر بنانا حاجت کے واسطے مباح ہے۔

حدیث اب۔ سوا پھر کے اتفاق میں بھی مصنف کے
 کو اس درجہ تک نہیں ہوئے۔ ویکہ مستحب امر کی مثال یہ بیان
 کرتا ہے۔ اور اس کے سہل کر اسی کو مباح کہتا ہے۔ انصاری کے

قہر میں ترک مستحب و فعل مباح کا ذکر نہیں۔ انصاری کا بلاغت
 زہر الہی حاجت تھا۔ اور حضرت رسالت عمارت فصول کو منع اور
 حرام فرمایا کرتے۔ دیکھو اسی حدیث میں ہے۔ اما ان کل
 بناء و بناء علی صاحب الاماکن یعنی الاماکن
 صناعہ ہر عمارت بنانیوالے پر وبال ہے۔ مگر جس کے بنائے
 سورہ ہود نہ ہو۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے اگر انصاری کا
 بلاغت ہذا پر حاجت ہوتا تو کچھ محفل ملاحت نہ تھا۔ اس
 پیرہن میں حدیث کہ پڑھ کر مسجد میں آجائے گا۔ کہ انصاری نے
 فصول عمارت بنا کر ارتکاب اہر منوع کیا تھا۔ اس واسطے حضرت
 نے اہر منوع فرمایا۔ نہ ترک استنباب پر۔

صغیر الطہر ۱۶۔ موچوں کے بال بڑھانے والوں پر اور
 بالوں کے نہ دھونے والوں پر کپڑے چیلے رکھنے والے پر اور
 ایک پاؤں ننگا اور ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنے والے پر
 اور ننگا سر کرنے والے پر وغیرہ کتب پر سخت ملامت کرتے
 تھے۔ صغیر الطہر ۱۷۔ یہ سب منہیات شرعی ہیں مصنف
 صاحب کو اہر مباح و منہی عنہ کی تمیز نہیں۔ اور دیکھئے اجتہاد
 ہے۔ ان کی بھی اور منع کے دلائل ہم سے سنئے۔ ترمذی اور
 نسائی اور احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت رسالت نے
 فرمایا۔ من لہو یا خذ من شمس یا قلیس صغیر الطہر ۱۸۔

اپنی مونچھیں نہیں کھڑتا وہ ہمارا نہیں۔ اور احمد و نسائی نے روایت کیا۔ من کان له شتر فليكره۔ جو شخص بال رکھتا ہو۔ پس چاہے عزت سے رکھے۔ اس کو اس میں انکرام کا اثر ہے۔ اور امر و عجب کو چاہتا ہے۔ اور یہی احمد و نسائی نے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت نے ایک شخص کا لباس میلادیکھ کر فسردایا۔ اما یجد هذا اما یفعل به ثوب کیا اسے کچھ منسرد نہیں آتا۔ جس سے وہ بڑے اپنے کپڑے۔ میلے کپڑوں سے۔ جو ستر کا کپڑا آتی ہے۔ اور بوسے پاس والے مسلمانوں اور ملائکہ کو ایسا پہنچتی ہے۔ ایسا رسانی ممنوع اور مذموم ہے۔ کہ میلادیکھ کر فسردا۔ منسرد ہونا چاہئے۔ اور بروایت متفق علیہ ثابت ہے۔ کہ چھوٹا احد کمرھے فعل واحد کوئی شخص ایک ہی جوتہ پہن کر کہہ دیتے یہ سب کام اس واسطے ممنوع ہیں۔ کہ غن میں مشابہت پر مبنی ہوں بلکہ مشابہت ہے۔ امانت میں غصہ مونچھوں کے بڑا ہونے میں تشبہ ہوتا ہے۔ یہ بال بکھرے اور میلے کپڑے رکھنے کو عبادت شیطانی قرار دیا۔ اور ایک جوتہ پہن کر چلنا یہ بھی فعلی ابلیس بتایا۔ اور عجب کر دیا کہ اس طرح اہل و عارف آرام کیا کریں گے۔ اور قسیدہ بالیہ و سب سے۔ یہ کہ ان کی مشابہت اختیار کرنی مصیبت کئی۔ کہ ترکیب مصیبت پر علامات فسردائی۔

صفا لکھ دیا۔ بلکہ فرمایا من سلب عن مذمت قلبی

حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کے معنی ہیں۔ ایک چیز سے
 پیروی کرنے والے اور نہایت زیادہ نہیں کہ ترک کرنے کو عن اللہ کہیں۔ تارک
 بیعت کو کہہ دو۔ اس حدیث کا مطلب ہے کہ اگر جو مصنف کی
 طرح مذکور ہے وہی مصداق صحیح ہے گا۔ تارک مستحب کو اس
 و غیر مذکور قرار دے غلو کا کام ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ ان
 احادیث میں سے انہی احادیث سے کہنا چاہیے کہ ان یونیٹوں میں
 انہی احادیث میں سے انہی احادیث سے کہنا چاہیے۔ اس بات کو جو اس کی
 پر عمل کیا گیا ہے۔ چھپا پسند کرتا ہے۔ غریبوں پر عمل کرنے کو غریب
 کے معنی ہیں۔ مستحب احادیث میں سے حدیث کے جو ایسا کہ عمل مستحب ہے پسند کیا
 ہے۔ انہی احادیث میں سے انہی احادیث سے کہنا چاہیے۔ ان کا ترک بھی مرضی خداوندی ہے۔ مستحب
 پر عمل کرنے کی امر کی اجازت دے۔ تو حضرت رسالت کیوں کہ منع
 اور نہ عید فرما دیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کو ترک تہجد پر ملاحت
 کی۔ انہی احادیث میں سے انہی احادیث سے کہنا چاہیے۔ ان کا ترک بھی مرضی خداوندی ہے۔ مستحب
 پر عمل کرنے کی امر کی اجازت دے۔ تو حضرت رسالت کیوں کہ منع
 اور نہ عید فرما دیں گے۔

حد کو پہنچتی ہے۔ اور معلوم ہے یا لیدایت کہ کسی صحابی نے رو بہ رسول
صلعم کے یہ عمل آپس میں نہیں کیا۔ مثل اسلام علیکم جو آپس
میں کرتے تھے۔ اگر یہ سنت سنت مستفیضہ ہوتی تو رسول کریم نے
صحابہ کرام کو آپس میں بیعت کرنے کا کیوں حکم نہ کیا ہوتا۔

۵۔ اس کلام سے مصنف کی یہ غرض ہے کہ رسول
صلعم تو تارک مستحب بلکہ فعل مبارک کے اقدام کرنے والے کو بلا
کیا کرتے تھے۔ تارکان بیعت کو بلا امت کیوں نہ کرتے۔ مگر اول دفعہ
ثابت کرنا چاہیے تھا۔ دعویٰ ثابت نہیں ہوا۔ اور سنا بیعت کی
تقریر اس پر کر دی۔ کہ اگر بیعت سنت مستفیضہ ہو تو یہ ضرور
رسول صلعم صحابہ کرام کو حکم دیتے کہ آپس میں بیعت نہ کرے۔ بدلا
فاسد علی الفاسد کر کے سنت فعلی اور تقریری کا مصنف نے
ہنگام کر دیا۔ شاید تمہارے نزدیک حدیث قولی کے سوا اور کسی
قسم کی کوئی حدیث نہیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ سنت بیعت
ان مسائلی میں سے ہے۔ جو خصوصیت رکھتے ہیں۔ ساکتہ افضل اور
بہتر کے۔ جیسے خلافت امارت حق امت ان کاموں کے واسطے
ایک ہی شخص مقرر ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر ایک امام یا
خلیفہ یا نمایاں بن جائے۔ مصنف خوش فہم یہاں لکھتے ہیں کہ یہ
بیعت جوابت را سے تافہ کہ رسول اللہ صلعم کرتے رہے اور صفہ
میں لکھتے ہیں۔ کہ بیعت توبہ و استغفار کے اول امر میں تھی

یعنی قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت متروک ہوئی، حافظہ اور لیاقت تو ایسی ہو کہ صفتوں میں کچھ لکھتے ہیں۔ دوسرے میں کچھ۔ ان دونوں باتوں کی غلطی ہم ہدایہ نمبر ۷۷ میں واضح بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر کہے کہ مراد اس بیعت سے جو آنحضرت فتح مکہ تک کرتے رہے۔ بیعت اسلام اور جہاد حق۔ اور وہ بیعت جو بعد ہجرت متروک ہوئی۔ وہ بیعت تو یہ حق۔ میں کہتا ہوں مطلق بیعت تو یہ سے خارج نہیں۔ کل اقسام بیعت بیعت تو یہ میں داخل ہیں بیعت تو یہ کیا ہے؟ (سب گناہوں سے تو یہ کرنا اور اولیٰ شریعہ کی تعمیل کا وعدہ کرنا۔) اور یہی ہے بیعت اسلام (شرک و کفر اور گناہ سے تائب ہونا اور بجا لانے احکام شریعہ کے عہد کرنا) اسی طرح بیعت جہاد و ثبات اور صبر کا وعدہ دینا اور نافرمانی رسول اللہ و ترائع باہمی اور میدان جنگ کے بھاگنے سے بیزار ہونا۔ جب بیعت تو یہ کا ترک ثابت ہو جاوے۔ تو بیعت مطلق کا ترک لازم آگیا۔ جب بیعت مطلق کا ترک لازم آگیا۔ پس مصنف کا تفریق آپ ہی یا طلحہ بنو۔ بیعت تو یہ۔ بیعت اسلام۔ بیعت تقویٰ ایک ہی چیز ہیں اور بیعت جہاد ان کی ایک فرد ہے۔

مغالطہ۔ وجہ اول یہ کہ جو امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کرنے کے لئے کیا اس کی ترغیب و تاکید بھی کی۔

ہدایہ۔ یہ تمہارا قاعدہ تمام اہل اسلام سے برخلاف ہے۔

اگر اس قاعدہ کو تسلیم کریں تو تمام فعلی اور تقریری سنتوں سے
انکار کرنا پڑے گا۔ ہزاروں امور شرعی حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فعل سے یا کسی کو کوئی کام کرتا دیکھ کر سکوت فرمانے سے ثابت
ہیں ان سے اگر انکار کیا جاوے تو وہ ثلث شریعت سے انکار
لازم آتا ہے۔ بہت مسائل شرعی ہیں۔ کہ وہ افعال شائع نے کئے
اور اس پر ترغیب و تاکید نہیں فرمائی۔ مگر مصنف و جمیع محدثین
کے نزدیک مستحبات و مندوبات سے ہیں مثلاً رفیعہ بن اسحاق
بعض مصائب و حوادث کے وقت قنوت کا پڑھنا جملہ محدثین
ان کو سنت جانتے ہیں۔ اور مصنف کا ان پر عمل بھی ہے۔ مصنف نے
واجب ہے۔ جو ان مسائل میں سے ایک مسئلہ پر ترغیب و تاکید
ثابت کرے۔ ایسی مثالیں بہت ہیں۔ مگر بخوف ظور التدریسی
پر اکتفا کیا گیا۔

صغیر الطہر علیہ السلام اور جس امر کو پیچھے بجا رہی کرینے کی مرضی تھی۔ اور
اپنے خاصہ کی نفی کرنی تھی۔ اپنے رو برو کسی اور سے کر دیا۔
حداب ۹۔ یہ قاعدہ پہلے قاعدے سے بھی بڑھ کر غلط ہے۔
وہاں سنت فعلی اور تقریری سے انکار تھا۔ اور یہاں سنت فعلی
سے بھی انکار کر دیا۔ گویا وہی فعل سنت ہو گا۔ جس کا حکم حضرت
دیکر اپنے رو برو عمل کرادیں۔ بیعت الخلافت جس کو تم سنت دانتے
ہو۔ اس قاعدہ کے موافق سنت نہ ہوگی۔ کیوں کہ حضرت پیغمبر خدا

نے کسی کو حکم نہیں کیا۔ کہ ہمارے دو برو ابو بکر یا عمر یا عثمان یا علی
کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہت دعائیں حضرت نماز میں اور صبح و شام
دو دیگر اوقات میں پڑھتے اور کسی کو حکم نہ فرماتے کہ تو ہمارے سامنے
پڑھ حالانکہ تمام علماء و اہم علماء کے سنت مستفیضہ ہونے پر
اتفاق ہے۔ یہ سب قواعد مصنف کے خاتمہ سنانہ ہیں مسلمانوں
میں سے کوئی ان کا قائل نہیں ہے۔

مغالطہ دوم۔ جیسا جماعت عبد الرحمن اور ابو بکر سے کرا
دی۔ ہذا ایسی۔ یہ مثالیں مفید مدعا نہیں۔ کیوں کہ حضرت
عبد الرحمن کو امامت کا حکم نہ کیا تھا۔ بلکہ بحالت نہ موجود ہونے آنحضرت
کے امام ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ اس طور پر ہوا۔ کہ حضرت سفر میں تھے۔
حضرت عبد الرحمن اور چند اصحاب آگے نکل گئے۔ آنحضرت پیچھے نہ گئے
کہ نماز فجر کا وقت ہو گیا۔ عبد الرحمن نماز پڑھانے لگے۔ ایک دہری
رکعت ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں آنحضرت تشریف لائے۔ اور دوسری
رکعت میں داخل جماعت ہوئے۔ اور آنحضرت بسبب غلبہ مرض
کے مسجد تک نہ چل سکے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا ارشاد
فرمایا۔ جب جماعت ہو رہی تھی۔ تو کسی قدر آنحضرت نے مرض میں
تخفیف دیکھی۔ اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور ابو بکر صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم گئے۔ اور آنحضرت نے امامت کرائی۔ پس یہ قول مصنف کا
اپنی دو برو کسی اور سے کرائی جیسا کہ جماعت عبد الرحمن اور ابو بکر

کر دی۔ (۱) امر غلط ہے جس کو شوق تحقیق ہو۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کو ملاحظہ کرے۔ دیکھتے ہیں مصنف صاحب کی روایت روایت ظاہر ہو جائے گی۔ اگر یہ سبیل تنسیر ہم ان واقعات کو جیسا مصنف نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح مان لیں۔ تو یہ بھی مفید مطلب نہیں کیوں کہ کثیر علماء کے نزدیک جماعت و احباب چنانچہ امیر مسنون کو امر واجب پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے مگر مصنف قصور علم کے سبب تمیز نہیں کر سکتا۔

مخالطہ ۲۱۔ جب بیعت کی نہ کسی کو ترغیب دی نہ کسی سے کرائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر مستفیض نہ تھا۔

حدیث ۱۱۔ جب مبنی اس دعویٰ کا ہم اچھی طرح سے ہدایت نمبر ۲۱ میں باطل کر چکے ہیں۔ پس بناءً اس پر آپ کی باطل ہو چکی۔ چہ بچائے کہ بیعت کی تاکسید و ترغیب آیات و احادیث سے ہم ہمہ

نمبر ۲۲ اور نمبر ۲۳ میں بخوبی ثابت کر چکے ہیں۔

مخالطہ ۲۲۔ درجہ دوم یہ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کرنا اس پر مال ہوتا کہ میرے پیچھے بھی یہ امر صحابہ کی ہوتا۔ تو نمبر ۲۲ صحابہ کرام بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو اس پر ہمہ نظر کر رہے۔ جب انہوں نے کسی کو اس کام پر مقرر نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی کام کو خاص نہ سمجھا ہے۔

حدیث ۱۲۔ یہ دعویٰ غلط ہے۔ صحابہ کرام نے اول ابو بکر صدیق ان کے بعد عمر فاروق انماں بعد حضرت عثمان ان سے پیچھے علی مرتضیٰ

کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کیا مصنف کو خلفائے راشدین کی خلافت اور بیعت سے بھی انکار ہے۔ دیکھو سب مفسرین اس آیت کو ہمیشہ کہہ
 قمن کفر بعد ذالک فاولئک هم الفاسقون۔ پس جس شخص نے انکار کیا۔ بعد اس کے پس وہی ہیں فاسق منکرانِ خلافت
 خلفائے اربعہ کے حق میں وعید بتلاتے ہیں۔ اب مصنف یہ کہے گا۔ جو یہ بیعت قبول خلافت کی تھی۔ یعنی عہد اس بات کا کہ ہم بغاوت نہ
 کریں گے۔ اس کے جواب میں ہم روایات کتب حدیث پیش
 کرتے ہیں۔ اپنی انصاف کو معلوم ہو جاوے گا کہ حق بجانب کس
 کے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عبدالمجید رضی اللہ عنہ نے
 بوقت خلافت خلیفہ سوم یثرب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ اور بیعت کے وقت یہ کہا۔
 ابایعنا علی سنة اللہ و سنة رسولہ و الخلیفتین
 بعدہ یعنی میں تیری بیعت کرتا ہوں۔ کتاب خدا و سنت رسول و طریقہ
 شخصین پر اور امام احمد کی روایت میں ہے۔ ابایعنا علی کتاب
 اللہ و سنة رسولہ و سیارۃ ابی بکر و عمر میں تیری بیعت کرتا
 ہوں۔ اوپر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور طریقہ ابو بکر و عمر
 کے۔ جس بیعت کا ان روایتوں میں ذکر ہے۔ یہ بیعت تقویٰ ہے۔
 خلافت وغیرہ امور شرعیہ سب اس میں داخل ہیں۔ اور عبد اللہ بن
 حنظلہ امیر مدینہ نے وقعتہ الحرمہ میں لوگوں سے ساتھ ہرنے کے

بیعت لی۔ یہ قصد بخاری میں موجود ہے۔ اور یہ بیعت بیعت خلعت
 کے سوا ہی بیعت تھی۔ ومن لم یحج الی اللہ لہ لور اقالہ من لور
 صغالیظ ۵۹۔ اور نیز اگر یہ سنت مستفیضہ ہوتی اور خاصہ نہ
 ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اس سے محروم نہ رکھتے۔ بلکہ کل
 سے کرتے۔ ہذا ایسے:۔ اس کو دلیل خصوص ٹھہرانا
 کمال جرات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو احکام شرعیہ میں
 دست اندازہ می کرنے پر بڑی دلیری ہے۔ حکم شرعی کی تخصیص سوا
 حکم شارع کے کسی کے راہ سے نہیں ہو سکتی۔ ایسے موقعہ پر کوئی
 آیت یا حدیث پیش کرنا ضروری ہے۔ کچھ نہ ہو تو استتہاد
 کے واسطے قول سلف صالحین یا متاخرین نقل کرنا چاہیے تھا۔
 جب آپ کو سند کی کوئی بات نہ ملی۔ تو گھر سے قاعد بنانے
 شروع کئے۔ اور اسی سے سنت مستفیضہ کو خاص کر دیا۔ یہ یاد
 رہے کہ ایسی جرات خلاف شان دیانت ہے۔ نہایت افسوس
 کا مقام ہے۔ کہ مصنف صاحب اس قول پر و صحابہ کو اس
 سے محروم نہ رکھتے۔ بلکہ کل سے کرتے، یہی کوئی سند نہیں
 لائے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو نام بنام بتلائیں۔ کہ فلاں فلاں
 صحابی سے آنحضرت نے بیعت نہیں لی۔ البتہ آنحضرت کا کل اسباب
 سے بیعت کرنا بسند صحیح ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بروہ

غزوہ خندق آنحضرت نے سب مہاجرین و انصار کے واسطے دے لئے
 مغفرت کی تو سب نے یہ عرض کیا نحن الذین بالیوم احمد اعلیٰ
 الاسلام ما یقینا ابدا ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیعت کی۔
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام پر جب تک ہم زندہ رہیں گے۔ اور اس مہر کہ
 ہیں تمام مہاجرین و انصار حاضر تھے جنہوں نے بیعت کا اقرار
 کیا۔ ہمارے یہ اعتقاد ہے کہ جو انہوں نے فرمایا سب صحیح ہے۔
 اگر مصنف نہ مانتے تو اس کا اختیار ہے۔ اور جنگ حدیبیہ میں طوطہ
 پہرا یہ بارہ جاں نثار حاضر تھے۔ سب نے آنحضرت سے بیعت کی۔
 صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 لو ان خمس عشرة مائۃ الذین بالیوم النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم یوم الاحدیۃ ہم پندرہ سو آدمی تھے جنہوں نے نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم سے حدیبیہ کے دن بیعت کی تھی۔ ایک روایت میں
 ہے۔ ولہم یتخلف احد من المسلمین حاضر ہوا انہوں
 قیس انحر بنی سلمۃ اور کوئی شخص مسلمانوں میں سے اس
 مجلس سے انگ نہیں رہا۔ مگر جلد بیٹا قیس کا جو نبی سلمہ میں سے
 تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ شخص منافق تھا۔ اس واسطے حاضر بیعت
 نہ ہوا۔ اور بخاری میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے۔ قال
 بالبیعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم عدلت الی ظاہر
 شجرة فاما خلف الناس قال یابن الاکوع قیال قلت

قَدْ بَايَعْتُمْ قَالُوا وَابْنًا قَالُوا فَبَايَعْتُمُ الشَّامِيَّةَ سَلَمَةُ كَافَتْ
 مَعَهُمْ. میں نے بیعت کی نبی صلعم سے۔ پھر میں درخت کے سایہ
 میں بٹھا بیٹھا۔ پس جب مجلس شریف میں آدمی کم ہو گئے۔ فرمایا
 اے پیٹھے اکورے کے تو ہم سے بیعت نہیں کرتا۔ سلمہ کہتے ہیں۔ میں
 نے عرض کیا۔ میں بیعت کر چکا ہوں۔ فرمایا دوبارہ بھی سلمہ کہتے ہیں۔
 پس میں نے بیعت کر لی دوبارہ۔ آنحضرت کو ایک شخص پر ترک
 بیعت کا مکان ہوا۔ تو اس کو بھی رہ غبت دلائی۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ
 علیہ لکھتے ہیں۔ کہ چار سو ستاون عورتوں نے بروز فتح مکہ آنحضرت
 سے بیعت کی۔ اور بیعتی اور طبرانی ابو یعلیٰ ابو داؤد ابن مرددہ ابن
 سعد عبد بن حمید امام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔
 کہ ام عطیہ نے فرمایا۔ کہ جس وقت آنحضرت مدینہ منورہ میں تشریف
 لے گئے۔ آپ نے انصار کی عورتوں کو حکم دیا۔ کہ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔
 اور عمر فاروق کو دیاں بھیجا۔ حضرت عمرؓ اس مکان کے دروازہ پر کھڑے
 ہو کر کہا۔ کہ میں حسب الحکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمہارا سے
 پاس آیا ہوں۔ کیا تم بیعت کرتی ہو۔ اس بات پر جو کبھی شرک اور جہاد
 اور زنا نہ کرو گی۔ ہم نے کہا ہاں! پس عمر فاروقؓ نے باہر کھڑے
 دروازہ کے اندر ہاتھ بڑھایا۔ اور ہم نے بھی ان کی طرف ہاتھ پھیلائے۔
 ابن ابی شیبہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے تمام مردوں اور عورتوں
 سے بیعت لی۔ مصنف کو لازم ہے کہ اپنے دعوے کی پوری حدیث سے سند

لائے۔ اور نہیں تو کسی عالم کا قول ہی نقل کرے۔ ٹکڑی پر چلنا درست نہیں۔ ان الذین لا یعنی من الحق شکیا۔

مخاطب سے ۲۶۔ اور پھر کل کو باہم بیعت کرنے کی تاکید کرتے۔

ہذا ہے۔ یہ وہی پہلی بات ہے جس کا جواب بھی ہم نمبر ۱۹ میں دے چکے ہیں۔ مصنف ثبوت دعوے کے واسطے ایک ہی بات کو ہیر پھیر کر بار بار لاتا ہے۔ اور بجائے خود سمجھتا ہے کہ ہم بیعت سے دلائل لاتے ہیں۔ پہلا جو شخص اپنے منہ کی کہی ہوئی بات کو نہ سمجھے۔ اس کو ایسے بڑے بڑے دعوے کرنے کی لائق ہیں۔ مصنف صاحب نبی نے تو بیعت کو کبھی ترک نہیں کیا۔ آنحضرت کے بعد سب نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ اور ان کے بعد وقتاً فوقتاً خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کرتے رہے۔ صحابہ کے طور و طریق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص بیعت کے لائق نہیں ہوتا۔ یہ منصب عالی صالح لوگوں کے ساتھ مخصوصیت رکھتا ہے۔ مخاطب ۲۷۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تمییز اور امارت بیان کرنے واجب تھے۔

ہذا ہے۔ یہ آپ نے عجیب بات کہی۔ (بیعت سنت ہے اور اس کی علامات کا بیان کرنا واجب۔) خلافت امارت قضاء جو اہم کام ہیں۔ ان کے واسطے شارع نے کون سی علامتیں بتلائی ہیں۔ کہ ایسے صفات والے شخص کو خلیفہ یا امیر یا قاضی مقرر کرنا

من سب ہے۔ اگر صاحب بیعت کی علامتیں نہ بتلا تیں۔ تو کیا ترویج ہے۔ بالفرض اگر بھی قاعدہ تسلیم کیا جباتے۔ تو خلافت و فضا سے بھی آپ کو انکار کرنا پڑے گا۔ برہنہ بنیں انٹرنل اگر ہم اس شرط کو مان لیں۔ تو دیکھو آنحضرت و خلفاء اور تمام اصحاب کے تعامل ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ بیعت ایسے شخص کی ہاتھ پر چاہیے جو اپنے وقت میں تقویٰ و دیانت و صلاحیت کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں فضیلت رکھتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ ان کا بہتر نمونہ تھے۔ ان کے بعد ابوبکر انماں بعد عمر ان سے پیچھے عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور بہ سبب فضیلت ان کی کہ وہ سرے کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوتی تھی۔ الا بیعتہ اور تعامل ان کا بمنزلہ بیان خلافت اور تمیز کے ہے۔

مخالطہ سے۔ اور ایسے شخص کے ترویج کے کوئی ذریعہ شارع سے مروی نہیں ہے۔ تو جس کو ہم مقرر کریں گے۔ ترویج بلا مہرج لازم آئیگی۔ خدا ہیہ۔ دیانت علم تقویٰ صبر اور حقیقت گو پروردگار نے ترویج کا سبب مقرر فرمایا ہے۔ جن میں یہ صفات ہوتی ہیں انہیں کو غیب الغیب سے یہ مرتبہ عنایت ہوتا ہے۔ آپ اگر ان صفات سے ان کو اسباب ترویج سے نہ کہہ کر آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ سرکارِ کریم فرماتا ہے۔ وحصلنا ہسبنا ثمرۃ یہد ذلت باسربنا لہا صبر و ادکان و ابیائنا یوقنوت اور کیا ہم سے ان کو

امام پابیت کرتے تھے۔ ساتھ حکم ہمارے کے جب کہ تکلیفوں کو
 سہارا نہ ہوں نے اور تھے ہمارے ہی آیتوں پر یقین کرتے۔ واذ ابلی
 ابراہیم رقبہ بکلمات فالتھرت قال انی جاءک
 للناس اماماً اور جس وقت آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے ٹھوڑی
 سی باتیں ہیں پس ابراہیم نے پوری کرو۔ کہلائیں۔ فرمایا تم تمہیں
 لوگوں کو پیشوا بنائیں گے۔ آنحضرت کا حکم ہے کہ تم اس شخص
 کو نماز میں امام کرو۔ جو عمدہ بڑے ہٹے والا اور زیادہ علم والا اور اچھی
 سمجھ والا اور بڑی عمر کا ہو۔ مصنف کو اس بات کا کچھ لحاظ نہیں
 آپ نے تفسیر سن لڑکے کو جمعہ اور عید میں امام کرتے ہیں بڑے بڑے
 دہائیوں علم و عمل و عمر اس کی اقتداء کرتے ہیں۔ دراصل یہ ڈھنگ گدی
 نشینی کا ہے۔ خود غرضی کے سبب ترجیح بلا مرجح بلکہ ترجیح مرجح بھی جائز
 ہو سکتی ہے۔ انصاف و رکار ہے۔ والا انصاف خیر الہ صاف
 صرف الحظ ۲۹ اور واجب تھا کہ تمام جہان اور ہر قسم میں
 بیعت کر کے والا ایک ہی ہوتا۔ اور یہ خلافت واقعہ کے اور محال ہے۔
 حدیث ۱۰۰ ایک چیز کو واجب کہیں۔ اور محال بھی سمجھیں عقلمندوں
 کے نزدیک محال ہے۔ یہ بتلاؤ واجب ہونے کا سبب کیا ہے اور
 اس پر دلیل کیا۔ خلافت کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر چند خلیفہ ہو جائیں
 تو کشت و خون کی لوبت پہنچتی ہے۔ بیعت میں کچھ خرابی نہیں بلکہ
 شہر میں کئی شخص صاحب بیعت ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے

ایک دوسرے سے کچھ سروکار نہیں رکھتے۔ اگر یہ ٹھوکر آنحضرت کے وقت میں سوائے ذات یا برکات آنحضرت کے کوئی صاحب بیعت نہ تھا۔ اب ایک ہی وقت میں بہت سے آدمی لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ یہ کس طرح جائز ہوگا۔ تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ کہ بیعت کے واسطے برگزیدہ شخص کو خاص کرنا چاہیے۔ جب آنحضرت تھے۔ تو سب کو آپ کی افضلیت پر اتفاق تھا۔ اس زمانہ میں تمام لوگ ایک ہی بزرگ کے قابل نہیں ہوتے۔ کوئی کسی کو اچھا جانتا ہے۔ کوئی کسی کو جیسا کسی کے سمجھ میں آتا ہے ویسا کرتا ہے۔ اور تکلیف شریعی ہمارے ذمہ اسی قدر ہے۔ **فالتقوا اللہ ما استطعتم۔**

مخالطہ۔ محض خلافت اگر ایک شخص پر ہو جاوے۔ تو اس میں بحال لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ اس میں نیابت ثابت ہے۔ بخلاف بیعت کے اس میں نیابت ثابت نہیں۔

ہدایہ۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دراصل کارخانہ بیعت کی بنیاد نیابت پر ہے۔ آنحضرت رب العالمین کی طرف سے نائب ہو کر بیعت لیتے تھے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ **ان الذین یشاہدون ان صابوا یعرفنا**۔ انصافاً یعرف اللہ تحقیق جو لوگ تجھ سے بیعت کیا کرتے ہیں وہ بیعت کرتے ہیں۔ اللہ سے جب بندہ کہہ سمجھائے پھر پوچھا کہ مقرر کیا۔ تو ایک کی رو سے سے نیابت سے۔ بطریق اولیٰ درست ہوئی چاہیے۔ مصنف بہ سبب علی اور ابنہ خیری کے کتاب و سنت

سے دیکھی عدم نفرت نیا بیت ہے۔ ادم معطیہ رضی اللہ عنہما کی روایت
 سے جس کو بیہوشی اور طہرائی اور ابو لعلی اور ابن مردودہ اور ابن سعد اور
 ابی داؤد اور عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ اور ہمیں بیہوشی پر ۲۵
 اس کو نقل کر چکے ہیں۔ بخوبی ثابت ہے کہ آنحضرت نے عمر
 فاروق کو واسطے بیعت کے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اور ابن ابی حاتم
 مقاتل سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی بیعت النساء) ہر روز
 فتح مکہ نانہل ہوئی۔ اس وقت آنحضرت نے کوہ صفا پر مردوں
 سے خود بیعت لی۔ اور عمر فاروق کو عورتوں سے بیعت لینے کا حکم دیا
 ایسے کامل الثبوت مسئلہ سے انکار کرنا۔ لوگوں میں اپنی جیسے علموں کا اشتہار
 دینا ہے۔ صفا لفظ ۵۱۱۔ استدلال دو حکم بیعت کے خواہ
 ہونے پر کلام اللہ میں خطاب بیعت کرنے کا خاص رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ اور مشروط بشرط۔

ہذا آیت ۵۔ قرآن مجید میں ایسی بہت آیتیں ہیں۔ جن خاص
 آنحضرت کو خطاب فرمایا ہے۔ اور احکام کو شرطوں کے ساتھ مشروط
 کیا ہے۔ مثلاً وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
 الرَّجِيمِ اور جس وقت پڑھے۔ تو قرآن پس فَاَنْكَبِ الْوَجْهَ لِلْاَرْضِ
 مُسْتَضِئًا مِنْهَا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ والی روایت فارغ
 پس جس وقت تو فارغ پڑھے۔ پس محنت کر اور طرف رہ اپنے کے
 پس رغبت کر (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الْحَقُّ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

رباعی واستغفرہ انکانت تو آیا جب آہے مدد نہی کی اور
 فتح مکہ پس پاکی بیان کر ساتھ تشریف پروردگار اپنی کے اور بخشش مانگ
 اس سے تحقیق وہ معاف کرنے والا ہے۔ وَاِذَا جَاءَ اِلَیْكَ
 یٰۤاٰیُّہٖمُ نُوْبٌ یَّاۤیُّہٖمُ فَقُلْ سَدِّدْ عَلٰی کُمُ کُتُبٌ رَّسٰلَہٗمُ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ
 اَللّٰہُ شَہِیْدٌ اُوْرَیْسُ وَحَقُّ اَمْرِیْمُ سِرِّہٗمُ پَاسِ خَدَّہٗ لُوْگُوْا جَوَایْمُ اِنِّیْمُ
 ہمارے آیتوں پر پس کہہ تو سلامتی ہے۔ تم پروردگار تمہارا ہستی
 لئے رحمت اپنے ذمہ مقرر کر چکا ہے۔ مصنف کے قاعدہ کے موافق
 تلاوت کے وقت سورۃ بالذکر پڑھنا اور پھر غرابت کا یہ بار سے اللہ
 کی طرف راغب ہونا اور عبارت کے لئے کمر بستہ ہونا اور پھر
 اصول فتح اور نصرت کے تسبیح و حمد کا پکارنا اور مغفرت حسب اپنا
 اور ہر منوں کو سلامتی اور رحمت کا مشورہ دینا رسول اللہ صلی اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا شعا ہے۔ اور ان کے حقیقی یہ سب کام پادشہ ہاتھ
 مصنف اسی سال کے صفت میں لکھتے ہیں۔ کہانا آگے رکھتے وقت
 بسم اللہ کہنا کتب ہے۔ خالہا یہ بھی کہہ دے گا سورۃ بالذکر پڑھنا
 اور تسبیح اور استغفار سب پادشہ ہاتھ۔ پھر آیتوں میں خواص ہوتے
 خیرا کو خطاب ہے۔ وَاَصْبَحْنَا لَیْلَہٗمُ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ پَدِیْمُ
 راجع بالعدل اکا والحق ہے یہ ہیں مدد و جہد ہر ایک و اہ فتاح
 صحت اغفلنا قلبہ و عت فکرنا ائمہ صیرورہ انور اپنے نفس کو
 ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور نہ

کہا مان اس شخص کا جس کے دل کو ہم نے غافل کیا ہے۔ یاد سے
 نہ قطع کل حلاف مہین اور نہ مان تو بات ہر ایک بہت
 قسم کہا نے دلے بقدر کی بخدا العفو وامن بالعدو وامن
 عن المجاہلین تو اختیار کر عفو اور حکم کرنے کی کا اور منہ پھیر جاہلوں
 سے فاما الیتیم فلا تقهر واما للیتام فلا تنهر پس تو
 یتیموں پر قہر مت کر اور سوالی کو مت جھڑک۔ اور صدقہ آیتیں اسی
 قسم کی ہیں۔ بخوف طوالت ہم ذکر نہیں کرتے۔ گویا یہ تمام احکام آنحضرت
 سے خاص ہیں۔ اور امت کو بالکل آزادی۔ جن لوگوں نے خلیفہ اول
 کے عہد میں ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا تھا۔ ان کا مصنف کا ایک مذہب
 ہے۔ اسی قاعدہ کی لڑ سے وہ منکر ہو کر قتل ہوئے۔ اگر مصنف اس
 زمانہ میں ہوتا۔ تو صحابہ کرام کے ہاتھ سے پاداش عمل دیکھتا۔ ان کا عذر
 یہ تھا۔ کہ یہ آئیہ کریمہ صحن من اموالہم صدقۃ لظہر ہم وقر
 آیہ ہم بھائی خاص آنحضرت کو خطاب ہے۔ کہ اسے پیغمبر تم زکوٰۃ
 وصول کرو۔ تاکہ آپ کے سبب وہ گناہوں سے پاک ہو جاویں۔
 ان کے لئے دعائے رحمت کرو۔ آپ کی دعا سے ان کو تسکین ہوگی بعد
 رحلت آنحضرت کے نہ وہ لینے والا رہا۔ جس کو خاص خطاب تھا۔
 اور نہ وہ علت موجود ہے۔ آپ کے زکوٰۃ لینے کے سبب وہ گناہوں
 سے پاک ہوتے تھے۔ اور آپ کی دعا سے ان کو تسلی ہوتی تھی۔ آپ
 کے دوسرے کے لینے اور دعا کرنے سے یہ فائدہ حاصل نہیں۔ اگر

یہ کہتے ہیں کہ اصحاب کبار نے بعد آنحضرت کے خلفاء کو زکوٰۃ دی۔ ان کے عمل پر آمد سے عموم حکم معلوم ہو گیا، ہم کہیں گے۔ دوسری طرف بھی اصحاب کہتے ہیں۔ اور فقہ صحابی ایک دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔ اور یہ خلفاء کا ائمہ کا کافی خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ معلوم ہوتی ہے۔ جس کو وہ دلیل قطعی سمجھتا ہے۔ بالیقین زکوٰۃ کو بھی ہوتا ہے۔ آپ کے قاصد کے موافق اصحاب کبارہ و خلیفہ اولیٰ ہستی پر کہتے ہیں۔ اور منکران زکوٰۃ حتیٰ پر احمادنا اللہ منہ صراطہ ۳۲۔ اور فعلی آنحضرت بعض صحابہ سے روایت بھی خاص ہے۔ ہذا آیت۔ یہ بات کہاں سے کہتے ہیں کہ آنحضرت نے بعض اصحاب سے بیعت کی تھی ہم صحیح حدیثوں کے حوالہ سے ہذا آیت ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت نے کل اصحاب سے بیعت لی۔ تمہاری رائے کسی کے نزدیک سند نہیں ہو سکتی۔ حدیث یا اثر پیش کر کے تب البتہ اہل علم قبول کرینگے۔ دعویٰ کیا تھا کہ میں نے مسئلہ پر آیت یا حدیث صحیح یا حسن سے دلیل لاؤں گا۔ اور موقع پر حدیث پر موقوف ہو بلکہ عالم کا قول بھی نہیں لاتا۔ خوف ہے کہ اس آیت کا مفسر نہ ہو جاوے۔ و یجبونک ان یحسبوا بما لہم لیفعلوا فلا یخسروا۔ مفسر مذکور من العلیٰ انہ۔

مفسر العلیٰ انہ۔ جیسا کہ صلوٰۃ مؤمنین میں حکم ہے۔ اذکرکذا فیہم فاقامت لہم الصلوٰۃ الخ اس میں خطاب کا کوئی خطاب گندہ نہیں ہے۔ اس میں واسطہ بعض علماء نے مفسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہے۔

صلوۃ الخوف میں بیشک خاص کر آنحضرت کو
 مشعل بن سہل نے۔ مگر قرون ثلاثہ جو مشہور و لہجہ بالخیر ہیں۔ اور آئمہ دین
 کبار سے ثابت ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ اگر مصنف کی طرح کسی
 اندر سے بھی اس کو خاص سمجھا ہے۔ تو اس کی غلطی اور خطا ہے۔
 اگر ابو یوسف مصنف یا کسی دوسرے امام کا قول خیر القرون کے لوگوں
 کے برخلاف ہوگا۔ تو ہرگز قبول نہ کیا جاوے گا۔

مسئلہ اول۔ اور تیز قبر پر نماز پڑھنی اور جنازہ غائب پر
 اور لڑکے کو گود میں لئے کہ نماز پڑھنی یہ سب اس قسم کے ہیں لیکن
 شریعت میں تصریح کی ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ
 علیہ میں وغیرہ علماء نے کہ جس مسئلہ میں تابعین یا تبع تابعین
 یا فقہاء مجتہدین میں گفتگو اور اختلاف واقع ہو تو وہ اختلافات منفرع
 اختلافات صحابہ پر ہوتے ہیں۔ جب ان امور مذکورہ پر ان حضرات میں
 گفتگو ہوئی۔ اسی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب معمولی بہ صحابہ تھے۔

مسئلہ اول۔ مصنف نے صلوۃ الخوف اور جنازہ غائب اور نماز
 چھپر پیر پڑھ کر پڑھنی کو ذکر کر کے اس میں اماموں کا اختلاف بتلایا ہے
 اور پھر اس اختلاف کو طینی بر اختلافات صحابہ کبارہ قرار دیکر ان
 مسائل کو آنحضرت کے خاصہ ہونے سے نکالا ہے۔ اور وہ قاعدے
 جن کو مصنف پہلے ذکر چکا ہے۔ (اولیٰ) جس امر کو صحیحہ حساب ہی
 کرنے کے مرضی تھی۔ اور اپنے خاصہ کی نفسی کہہ فی حق۔ اپنے لہ و لہ

محسن کو کسی اور سے کرا دیا۔ (دوم) اگر صحابہ کا کسی سنت پر عمل
 کرتا نہیں معلوم نہ ہو۔ تو وہ منسوخ سمجھی جائے گی۔ (سوم) جس کام
 پر آنحضرت ترغیب و تاکید نہ فرمادیں۔ تو وہ خاصہ ہے۔ (ان مسائل
 کو خاصہ آنحضرت بتلاتے ہیں۔ جنہوں نے عام سمجھا۔ ان کا قول بایں
 ہے۔ گو یا مصنف کے نزدیک خاصہ سمجھنے والے حق بجانب ہیں۔
 اور مجہود امت خطا پر اور لطف یہ ہے کہ مصنف ان کو خاصہ نہیں سمجھتا۔
 امت کو بھی عمل کی اجازت دیتا ہے۔ قصور فہم کے سبب قواعد باطلہ
 بناتا ہے۔ اور ان سے اپنی تکذیب آپ ہی کرتا ہے۔ اور سناٹہ کی
 قوت سے اپنے مصنفی قواعد کو بھی بھول جاتا ہے۔ غرض یہ سب
 قواعد نوا ایجاد مصنف کے ہیں۔ آئندہ دین تو کیا اہل اسلام ہیں۔ یہ
 کوئی اس کا قائل نہیں۔ البتہ مصنف کے بعض قواعد سے مانعین
 نہ کر کے ابوبکر صدیق کی مخالفت میں سند پکڑا تھا۔ مگر صحابہ
 آنحضرت سے بالاتفاق ان کو قتل کر دیا۔ اور ان کے قواعد کو رد کر
 چکے۔ چونکہ ہمزبانی ہدایہ نمبر (۱۴)، باہم بیعت کرنا صحابہ کا اور یہ ضمن
 ہدایہ نمبر ۲۵ بیعت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ہر سے اپنے
 عمر رضی اللہ عنہ سے اور ضمن ہدایہ نمبر ۱۴ اور نمبر ۲۵ تاکید اور ترغیب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کر سنے میں بخیر ثابت ثابت کر چکے ہیں۔
 مصنف کے نزدیک بھی بیعت آنحضرت کا خاصہ ٹھہرے گی۔ اگر
 نظر انصاف سے دیکھیں۔ اور بعد تعصب کو بند رکھیں۔

مغالطہ ۳۵۔ اور بیعت کا کسی علماء یا صحابہ یا تابعین
میں گفتگو نہیں ہوئی۔

ہمدانی۔ بے شک قرون ثلاثہ سے لے کر اس وقت
تک سوائے مصنف کے کسی نے بیعت بیعت سے انکار نہیں کیا۔
قال اللہ تعالیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین الایۃ۔

مغالطہ ۳۶۔ اور نہ کسی نے باب باندھا ہے حالانکہ
ادنیٰ ادنیٰ باتوں کے باب باندھے ہیں۔ مثل بول و برائہ و عمل و غیر
ذکر۔ ہمدانی۔ ہمارے بہادر مصنف نے ناواغی کے
بہاؤ اللہ اور ایسے گامی کے پھر وہ عجیب و غریب کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی
نے باب نہیں باندھا خدا کے لئے اگر صحیح بخاری و مسلم کی سمجھنے کا فائدہ
نہیں تو ترجمۃ الباب پر ایک دفعہ نظر کر لو اس عجوبہ سے اتنا فائدہ
ضرور ہوگا کہ پھر ایسا دعویٰ نہ کرو گے۔ میں کہتا ہوں کہ بخاری اور مسلم
اور تمام صحاح میں ابواب بیعت موجود ہیں۔ اگر سوا پھر کے اتفاق میں
ہو گیا تو تشریف ہی مترجم ابواب کا عطا کر دو۔ اور بالفصل بیعت
میں کچھ بتلا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری صفحہ ۵۵ کے باب البیعت نسلی اقام
المسلوۃ ح۱۸۱ باب الکبیۃ ۱۸۱ ما عرانا من اس باب میں
بیعت سی حدیثیں ہیں۔ اور اقسام اقسام بیعت کا اس میں ذکر ہے۔
مثلاً سیح بولنا اور دینی معاملات میں کسی کے ملامت سے نہ ڈرنا
اور خطیفہ کے ساتھ جہاد کو حاضر ہونا اور حکم سننا اور ماننا اور مسلمان

بھائیوں کے غیر خواہ رہنا اور جنگ میں ساتھ مرنا اور مطالبہ کلام اللہ
 اور سنت رسول اللہ اور سیرت خلفاء کے عمل کرنا۔ اس باب سے
 یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ امام بخاری کے نزدیک ایسے امور میں امام کیساتھ
 بیعت کرنا سنت ہے۔ اور صحت میں ہے۔ باب من بايع بعد
 ثلثين باببيعة الاعداء باببيعة الصغار صحيح بخاری
 میں اور بھی ابواب ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے صحیح
 مسلم کے باب وضع کئے ہیں) صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۱۸۱ پر لکھتے ہیں باب
 استحباب مبايعة الامام الجليلي عند الموقعة القتال والقبول
 باب صفاء صفاء دلالت کرتا ہے اس امر کہ جیسے امام کے ہاتھ
 پر بیعت خلافت کی جاتی ہے۔ ویسے ہی اور معاملات کی بیعتیں اور یہ
 ابواب بھی صحیح مسلم میں ہیں۔ صفحہ ۱۸۱ جلد ثانی باب كيف مبايعة
 النساء اور باب البيعة على السمع والطاعة جلد ثانی صفحہ ۱۸۱
 البواد و ہیں ہے۔ صفحہ ۱۸۱ باب ما جاء في البيعة اور باب ما
 كلف البيعة اور باب ما جاء في البيعة النساء اور باب ما
 جاء في البيعة جلد ثانی مصنفی کا باب البيعة على اركان الاسلام و
 انكباير و غير ذلك من احكام الشرع اور اس باب میں بخاری
 کی بیعت کا بیعت کا بھی ذکر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسوی
 شرح موطا کے اس باب میں لکھتے ہیں۔ وفيه دليل على ان البيعة
 غلبه مقصود على قبول الاختلاف والذم يتاح في شاي

الصوفیہ لہ وجہ یعنی پایا جاتا ہے۔ کہ بیعت صرف خلافت پر
موقوف نہیں اور جو صوفیوں میں رواج بیعت ہے۔ اُس کے لئے
مشریعت میں اصل ہے۔ اور نسائی رحمۃ اللہ نے اپنی سنن میں کتاب
البیعتہ لکھ کر اس میں اٹھارہ باب باندھے ہیں۔ مگر بخوف ملاحظہ
ناظرین ہم تفصیل نہیں کرتے اور ابن ماجہ میں ہے۔ ص ۲۱ باب البيعة
اور باب الرضا بالبيعة اور ص ۲۱۲ باب بیعة النساء ناظرین
حق پسند ہمارے اس فہرست کو دیکھ کر (جس میں ہم نے باب
باب کو بالاستیعاب ذکر نہیں کیا) انصاف کریں اور دیکھیں کہ یہ
قول مصنف کا (نہ کسی نے باب باندھا ہے) دلیل ہے علمی ہے یا نہیں
بہت ہی آیات قرآنی مستلزم بیعت مستفاد ہوتا ہے۔ اور احادیث اس
بارہ میں کثرت سے ہیں۔ مگر آج تک کسی مفسر اور شارح نے یہ نہیں
لکھا۔ کہ بیعت خاصہ آنحضرت تھی۔ مصنف نے بارہ سال محنت
کر کے یہ رسالہ بنایا۔ مگر غریبی قیمت سے آیت و حدیث کو کیا کسی
عالم کا قول بھی مستند نہیں لایا۔ ناحق خفقاہیوں جیسی بات کہہ
کر اپنے علم کو بیڑہ دکھایا۔

ص ۱۰۰ تیسرا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اہل اودے کے امور پر بیڑی ترغیب دی ہے۔ اہل اودے اور یہ بیعت
کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقتہ بھی ناکید اس
کی نہیں کی اس لئے خاصہ معلوم ہوتا ہے۔

ھذا ایسا۔ جذاب کو حالت خفقان میں وہی پہلی بات یاد آگئی
 چھٹا قلم اٹھا کر لکھ دے سبحان اللہ والہی بڑھانے کا خوب
 طریق نکالا ہے۔ مگر آخر خفقانی آدمی تھا۔ گھبرا گیا۔ اگے ہزار بار لکھ
 دیتا۔ تو مرثیت میں ہزاروں دلیل بن جاتی۔ بیعت کی توفیق دے
 تاکیدی آیت و حدیث سے ثابت ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔ و من
 اوفی بیا عاھدہ علیہ اللہ فسیوفیہ (جو اسے قلم اٹھا کر لکھ
 ادا کرے گا میں پورا کر دوں گا) اس نے عہد کیا تھا۔ اللہ سے
 پس قریب ہے۔ دے گا اس کو پورا ثواب لفظ ضعیف اللہ
 عزوجل امر مبین اذینا یعرفناک تحت الشجرۃ فقلام صافی
 قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم تحقیق رضی اللہ عنہم انزل
 سے جس وقت پہنچا کرتے تھے وہ تجھ سے درخت کے نیچے پس
 جان لیا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس اللہ کی تسلی ان پر
 ان آیتوں میں ذکر ہے۔ کہ بیعت سے سکینہ نازل ہو گئی ہے۔ ادا
 اسی سے ہے رضامندی اللہ کی اور اس عہد کی وفا موجب اجر عظیم
 آنحضرتؐ نے فرمایا یا یحییٰ بن علی ان کا کثیر کو ابالک شہید
 اللہ پیش تم تجھ سے بیعت کرو۔ جو آئندہ خدا کا شہید نہ کرے
 گی۔ کسی چیز کو غور کرو۔ اس حدیث میں صاف تاکید ہے میرا
 مصنف تو خود ہی ایمان سے کہو۔ کہ یہ انکار تمہارا لفظ برین
 تجھ سے یا جیسا کہ ہے۔

مغضی الطہ ۳۔ چوتھا استدلال قاعدہ اجماعیہ محدثین کا یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ باجماع ترک کریں۔ وہ منسوخ ہو رہتا ہے۔

حسد ایسے۔ مجتہد العصر ایک نیا نیا گل کھلاتے ہیں۔ اور اپنی بیہوشی کا ہنر بیان خود اقرار کرتے ہیں۔ نسخ کا قاعدہ بیعت کے خاصہ ہونے پر اس سے استدلال کرنا اور نسخ سے خصوصیت کا نتیجہ نکالنا مصنف جیسے اہل علم کا کام ہے جو وصف ایک ہی شے میں پایا جائے۔ اور دوسری چیز میں اس کا وجود نیا پایا جائے۔ وہ خاصہ شے کا کیا جائے اور شریعت میں ایک حکم ایسا جاری کیا جاوے۔ کہ پہلے کو اٹھا دے۔ اس کو نسخ کہتے ہیں۔ پس ایک کو دوسرے کی دلیل سمجھنا محض غلط فہمی ہے۔ دراصل محدثین نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے۔ کہ ایک امر کی نسبت بسند صحیح ثابت ہو جاوے۔ کہ صحابہ کبار نے بالاجماع اس کو ترک کر دیا تھا۔ تو وہ امر متروک بیشک منسوخ تصور کیا جاوے گا۔ مگر یہ شرط ہے کہ یہ اجماع بسند صحیح صحابہ اور تابعین سے ثابت ہو جاوے۔ اور ترک کا ثبوت فعل کے ثبوت سے کم نہ ہو۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ایک مسئلہ کو تلاش کریں۔ جب قصور علم و فہم کے سبب پتہ نہ لگے۔ تو کہہ دیں یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہے۔ جہالت اور ناواقفی کو اجماع سلف قرار دینا اور اس قاعدہ کو محدثین کی طرف نسبت کرنا غلط ہے۔

امام احمد بن حنبل نور اللہ مفعولہ نے اس شخص کو جو دعویٰ اس
قسم اجماع کا کرے۔ جھوٹا بتلایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم نے
اعلام میں امام سے نقل کیا ہے۔ اور شیخ صالح بن محمد عمری نے
ایقانہ میں اس عبارت کو پورا پورا نقل فرمایا ہے۔ ولہذا یکن احد
یقدم علی الحدیث الصحیح بعض الناس
انہ استیجاد لوجودہ انتہی ترجمہ یعنی امام احمدؒ کسی
کے عمل اور رائے اور قیاس اور قول اور عام علم کو (یعنی جو
کہے مجھے کسی کا عمل اس حدیث پر ثابت نہیں ہوتا)۔ (اور اسی
کو بہت لوگ اجماع کہتے ہیں) حدیث صحیح پر مقدم نہ کرتے تھے
اور جو بے علمی سے دعویٰ اجماع کرتا۔ اس کو جھٹلاتے اور فرضی
اجماع کو حدیث پر مقدم کرنے کو جائز نہ سمجھتے اور امام شافعی
رحمۃ اللہ نے اپنی آخری تصنیف رسالہ میں لکھا ہے۔ کہ جس مسئلہ
میں کسی کا اختلاف معلوم نہ ہو۔ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس پر
اجماع امرت ہے۔ امام احمد بن حنبل اور تمام ائمہ حدیث اس
بات پر متفق ہیں۔ کہ حکم پیغمبر خدا صلعم کا رتبہ اس سے بڑھ کر
ہے۔ جو وہی اجماع کو (جس کی اصلیت یہ ہے۔ کہ ہمیں اس
میں کسی کا خلاف ثابت نہیں ہوا) اس پر مقدم رکھیں اور اگر
یہ قاعدہ جاری کیا جاوے تو تمام احکام شرعی بیکار ہو جاویں۔ اور
محل اختلاف میں یہ کہہ کر جو ہماری بات کا کوئی مخالف نہیں گویا

اجماع ہو چکا۔ مخالف کی نصوص کو رد کرنے کے گنجائش ہو جائے۔
 اسی قسم کے اجماع کا امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ
 نے انکار کیا۔ اور یہ بات نہیں کہ امام احمد صاحب وجود اجماع کو
 ناممکن سمجھتے ہیں۔ فقط اس وہی اجماع کو بہت سارے دیکھ کے پھر
 شیخ صالح بن محمد ثاقب عن الاعلام یوں فرماتے ہیں۔ وحین فی شاء
 هذه الطريقة من ارتکبه وکذبوا من
 ادعاء ترجمہ یعنی جب یہ طریقہ جاری ہوا تو اس امر نے رواج
 پکڑا۔ کہ وہی امام مجہول اجماع سے آیات و حدیث سے ان پر حجت
 پکڑی۔ تو کہہ دیا یہ حکم خلاف اجماع ہے۔ آیہ دین نے اس اجماع
 کا انکار کیا ہے۔ اور وہ جو بے باطلہ کے مرتکبوں پر ہر طرف سے عیب
 دہر رہے۔ اور ان کو جھوٹا بتلایا ہے۔ اپنی نظر غور کریں۔ قاعدہ
 کیا تھا۔ اور مصنف نے کس طرح بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ اگر مصنف
 کے نزدیک بیعت باجماع امت متروک تھی۔ تو اس کو لازم تھا۔
 کہ محدثین و فقہاء کی کتابوں سے اس اجماع کو نقل کرتا۔ محض
 اپنے معلومات پر اعتماد کر کے ایک امر مسنون کو مفسوخ ٹھہرانا
 بعید ازہ و یانت ہے۔ ہم ان لوگوں سے جنہوں نے مصنف کی
 اور ہماری جوابات کو ملاحظہ کیا ہے۔ درخواست کرتے ہیں کہ اسے
 کہ علم آدمی کے کہنے سے سنت صحیحہ ثابتہ کا انکار نہ کریں۔ اور اس
 کی تبلیغ اور تلاش سے فریقہ نہ ہو جاوے۔ مصنف کی اس تبلیغ اور

تلاش پر کہ بیعت میں کسی عالم نے نہ باب باندھا ہے۔ اور نہ
 شارع کی طرف سے تاکید و ترغیب آئی ہے (اس کی اور تین دفعہ تلاش
 غیاث کریں۔ بالفرض اگر متقدمین یا متاخرین میں سے مصنف کی
 طرح کسی نے اجماع کا دعویٰ کیا ہو۔ تو وہ بھی تسلیم نہ کیا
 جائے گا۔ کیوں کہ ہم یمن ہدایہ نمبر ۱۲۷۹ تعامل صحابہ ثابت کر چکے ہیں۔
 مصنف الحاشیہ ۳۹۹۔ بلکہ ترمذی نے آخر کتاب میں لکھ دیا ہے
 کہ جو حدیث میں نے بیان کی ہے۔ سب معمول بہ ہیں۔ مگر وہ
 حدیثیں ایک حدیث شارب خمر کی جو پانچویں دفعہ شراب پیو
 قتل کیا جاوے۔ اور ایک حدیث جمع بین الصلوٰتین بلا تعدد
 غیر معمول بہ ہیں۔

ہذا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ نے اولیٰ اس حدیث کو بیان کیا
 ہے کہ جو پانچویں دفعہ شراب پیوے۔ قتل کیا جاوے۔ اس کے بعد
 یہ حدیث لایا ہے۔ ثم رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسیر
 حل قد شرب شرب فی المہربۃ وضربہ ودمہ یقتلۃ یعنی
 آنحضرت کے سامنے ایک خمری آیا جس نے چوتھی دفعہ شراب
 پی لی تھی۔ تو آپ نے اس کو حد لگائی۔ اور قتل نہ کیا۔ گویا آنحضرت
 کے آخری فعل نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور اسی طرح جو ائمہ
 جمع بین الصلوٰتین کی حدیث بیان کر کے اس کے پیچھے ابن عباسؓ
 سے یہ روایت نقل کی ہے۔ عن جمع بین الصلوٰتین کن شارب

عذر فرماتے با با من الجواب الکبائر۔ یعنی جس نے دو نمازوں کو جمع کیا۔ بلا عذر وہ کبیرہ گناہوں میں داخل ہوا۔ ترمذی نے جمع کو منسوخ نہیں کہا۔ بلکہ ابن عباسؓ کی روایت سے اس کو مسلسل کر دیا ہے۔ اگرچہ روایت ابن عباس میں حذف ہے مگر چونکہ یہ حدیث نزدیک ترمذی کے معمول بہ امت ہے۔ موافق قاعدہ محدثین کے (جو حدیث ضعیف معمول بہ امت کا ہو۔ اس کے لئے کوئی اصل صحیح سمجھا جاوے گا۔) یہ حدیث معنی صحیح ہے۔ مصنف صاحب ہمارے اس تحریر کو دیکھ کر غالباً مرطوب سمجھ جائیں گے۔ اور دلی میں نا دم ہو کر کہیں گے۔ ان روایتوں سے ہمیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔

مخالطہ نہ ہو۔ یہ حدیث شارب خمر باجماع صحابہ منسوخ ہے۔ اس کا کوئی مستند نہیں۔

ھل ایسا۔ جو لوگ اس حدیث کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ وہ سبب اس حدیث کے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ منسوخ بتلاتے ہیں۔ نہ کہ اجماع صحابہ کے باعث یہ محض مصنف کا خیال ہے۔ کوئی آئمہ دین سے اس کا قائل نہیں۔ اگر کسی نے بزع باطل ایسا سمجھا ہو۔ اس کی غلطی ہے۔ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے متفق الہائے ہیں۔ حافظ ابن القیم اور شیخ معین الدین سند ہی اور محمد بن اسماعیل یحانی اور ابی گریہ محدثین کا قول ہے۔ کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ

مصنف صاحب لکھتے ہیں۔ (اسکا کوئی منکر نہیں۔)

مرغی الطہریہ۔ صحاح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات طرح کی اوجھیاں پر کلام اللہ پڑھنا سیکھ کر رکھا۔ ان میں سے عثمان کے وقت باجماع ۵۵ سب قرائتیں منسوخ ہوئیں۔ چنانچہ وقت حجاز کے۔ ۵۵ ایں۔ سب قرائتوں کو منسوخ کرنا طہریہ کے سوا کسی نذرت حجاز کے اور قرائتوں کے معروف ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے جلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے لیتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص مضاف قرائت الہی میں کھینچ کے قرائت مجید پڑھتا تھا۔ اور دوسرا ابن مسعود کے اور تیسرا ابو موسیٰ کے مطابق اور اختلاف کے سبب آپس میں جھگڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کافر بتاتے ہیں۔ لہذا عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ حال عرض کیا۔ امیر المومنین نے بشوریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام مصاحف جلافت کے اس وقت ان قرائتوں کا صحیح و متواتر سے ثابت ہونا محال ہے۔ جب تک ان قرائتوں کے جاننے والے موجود تھے۔ وہ بیشک مختلف طرح پڑھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ابن مسعود کے شاگرد مصنف عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف دوسری طہریہ لکھتے۔ اگر صحابہ کا اجماع ہوتا۔ تو یہ بڑا گوارہ کیوں مخالف کہتے البتہ ہم اس وقت مجید نہیں۔ کیوں کہ سوائے مصنف عثمان رضی اللہ عنہ کے سب متواتر سے کوئی قرائت ہمیں نہیں پہنچتی۔ حکم ضرورتاً ہی یہ اکتفا۔

کر لئے ہیں۔ ہمارے خوش فہم ملا صاحب نے اسی کو اجماع سمجھ لیا۔
صفحہ ۱۲۷ - اور دوسرا کلام اللہ شریف رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں جمع نہیں کرایا۔ ابابکر صدیق کبھی نہ
 بعد گفتگو بہت کے جمع ہوا۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا فعل اجماع سے متروک ہوا۔

صفحہ ۱۲۸ - عدم کو فعل جاننا اور پھر اس کو منسوخ سمجھا خاص
 آپ کا صحیفہ ہے۔ عالم تو کیا کوئی جاہل بھی عدم کو فعل نہیں کہتا علما
 کتبہ میں جو کام آنحضرت کے وقت میں اتفاق نہ ہوا اور پھر کسی
 وقت میں واسطے معلومت دینی کے اس کا رواج ہو گیا۔ وہ ملحق بالحد
 یا بایعت حدت کہلاوے گا۔ یہ نہیں کہ اس کے وجود سے اس کے عدم
 کو منسوخ کہا جاوے گا۔ **صفحہ ۱۲۹** - تیسری حدیث میں آیا ہے
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سے سوائے قرآن
 کے کچھ نہ کہو یہ بات باجماع تابعین کے متروک ہوئی۔

صفحہ ۱۳۰ - جیسا آنحضرت نے تحریر حدیث سے منع فرمایا عقدا
 ویسا اس کے لکھنے کا بھی ارشاد فرمایا۔ صحیحین میں ہے۔ ۱۲ کتاب الایمان
 مشاہد یہ حدیث کا جو واسطے ابو شاہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ممانعت کو خود ہی منسوخ کر دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے
 روایت ہے۔ ۱۱ صاحب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احدا
 اکثر حدیث میں ایما کان عبد اللہ بن عمر وفاتہ کان

یک کتاب لاکھ زمرہ اصحاب میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ
 حدیث کا واقف نہیں مگر عبداللہ بن عمرو کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور
 میں بن لکھے یاد رکھتا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے
 فرمایا اے خداوندی کتاب اللہ و ما فی ہذا العقیقہ قلت
 و ما فی ہذا العقیقہ قال العقل و فیکان علی اور میرے یعنی
 ہمارے پاس سو اسے قرآن مجید اور ان احکام کے جو اس پر ہمارے ہیں
 لکھے ہوئے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ میرے لئے پوچھنا اس میں کیا ہے۔ فرمایا
 خون بہا اور خیلوں کے متعلق احکام ہیں۔ اور عجمیوں میں ہے کہ
 آنحضرت نے مرض الموت میں فرمایا۔ (ایتورانی) کتاب اللہ تبارک
 و تعالیٰ یاد رکھنا یا اے خداوندی کتاب اللہ و ما فی ہذا العقیقہ قلت
 ایسی تحریر ہے جس کے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ حدیث کا پہلا سہ
 و عمر بن الخطاب اس کی کتاب کو یہ اعتبار اور باہر نام کر رہا ہے۔ اس
 کی رو اور جواب کی حاجت نہیں۔ مگر فقط اس خیال سے کہ وہ
 عوام مومنین میں کو ان باتوں سے پوری پوری خبر نہیں۔ حدیث کی
 قیل و قال سے فریفتہ ہو جاویں۔ راقم نے اس کی غلطیاں بطریق اعتقاد
 بیان کیں۔ آنحضرت نے ابو شاہ کیواسیہ کہہ کر حدیث کا معنی فرمایا۔ اور
 مرض الموت میں کچھ لکھوانا چاہا۔ عبداللہ بن عمرو ہمیشہ پوچھتے کہ وہ کہتے
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اسی قسم کے ادراک تھے۔ خدا جانے
 مصنف صاحب نے ان روایتوں کو دیکھا نہیں۔ جو حکم منع کرنا چاہا

تابع تابعین منسوخ بتلاتے ہیں۔ جتنے دلائل اور مثالیں آپ لائے
 ہیں۔ کوئی مطالبہ مدعا نہیں۔ ایسے لائقوں کی خاموشی سے پردہ پوشی
 ہے۔ یہ نامرد سخن نگفتہ باشد بعبود نہرش نہفتہ باشد
 صغیر الطہر علیہ السلام۔ اگر کوئی اس نظر سے امر میں لادیں حرام نہیں۔
 مصنف نے اپنے پہلے قاعدہ کا خلاف کیا۔ اول لکھا تھا کہ
 کہ جو کام تم آنحضرتؐ سے کیا ہے۔ کہ امرت کیلئے شریعت
 و شریعت ہوئے۔ تو اس کی تردید اور تاکید بھی فرمائی ہے۔ بلکہ حکم دے
 کر اپنے رد و رد عمل کرا پا رہے۔ اور ان امور کی نسبت آنحضرتؐ کا رغبت
 کرنا اور تاکید فرمانا اور عمل کرنا ثابت نہیں۔ پھر مصنف کا فتویٰ ہے۔
 کہ ان پر عمل کرنا حرام نہیں۔ بقول شخصے شترے بے مہار ٹھہرے کسی
 قاعدہ کے پابند نہیں۔ گو یا شاہراہ خیالات میں۔ کہنے کو ہیں۔ کہ لے کو
 نہیں۔ الامت تراہم فی کل واد مہموت وانضم بقولون
 صغیر الطہر علیہ السلام۔ لیکن بیعت کا ذکر کہیں تابعین اور
 تابع تابعین میں سے مروی نہیں۔ اور نام لینا بھی اس کا ثابت نہیں اور
 باب باندہ ہونے کا تو کیا ذکر ہے۔

حد ابیہ۔ اس کا جواب ہدایہ نمبر (۲۴) اور ہدایہ نمبر (۲۵) میں
 ہم ذکر چکے ہیں۔ صغیر الطہر علیہ السلام۔ اس قاعدہ سے خلاف کرنا مثل
 ابن تیمیہ و صاحب وراثات و من حذا حذوہما تو ان کا اختلاف
 بمقابلہ چہوہ علماء محدثین اور اجماع انکے کے کون سننا ہے۔

ہذا بہرہ نقادہ محدثین سے کوئی مخالفت نہیں۔ البتہ جو قائل
مصنف نے ایجاد کیا ہے۔ (کہ جب ہمیں کسی مسئلہ میں کوئی مخالفت
معلوم نہ ہو۔ تو وہ مسئلہ ثابت یا لاچار ہے۔) اور اسی سے صحیح حدیثیں
کو رد کرتا ہے۔ صاحب دراسات اور ابن تیمیہ بلکہ امام شافعی اور امام
احمد بن حنبل اور سب آئمہ حدیث اس کو رد کرتے ہیں۔ اور ایسے اجماع
کے مدعی کو کاذب کہتے ہیں۔ ہم ان سب عبارتوں کو بغیر ہذا حدیث
نمبر (۱۳۰) تحریر کر چکے ہیں۔

مذاہب طریقہ۔ کئی مسائل میں ابن تیمیہ وغیرہ نے غلطیاں کھائی ہیں۔
ہذا یں۔ بے شک بیان احکام شرعی میں سوائے انبیاء کے کوئی مدعی
نہیں۔ ہر ایک کو بھولی چوک کا خوف ہے۔ ابن تیمیہ ہو یا اور کوئی مگر
اس مسئلہ میں جس پر بحث ہو رہی ہے۔ ابن تیمیہ سے کچھ خطا نہیں
کی۔ بلکہ جو جب قول آئمہ حدیث کے مصنف کی غلطی اور کذب
ثابت ہوتا ہے۔ یاں کوئی اور غلطی بتاؤ گے تو دیکھا جاوے گا مصنف
کا دوسرا اعتراض ابن تیمیہ پر یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب فرقان
میں بے سند فقہی کرامات اولیاء کے لکھے ہیں۔ مصنف صاحب کرامات
کے ذکر سے گھبراتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کرامات اولیاء اللہ سے
انکار ہے۔ ہم پہلے بھی سنا کرتے تھے۔ اس تحریر کو دیکھ کر یقین ہو گیا۔
جو دل میں ہو وہ کبھی نہ کبھی نہ بان پر آتا ہے۔ کل افایہ ویتوشع بما
فیہ تمام اہل سنت و الجماعت کے نزدیک اولیاء اللہ سے کرامات

کا پورا برحق ہے۔ قرآن مجید میں کرامات کا ثبوت قصہ اصحاب کوفہ
 اور مریم صدیقہ اور قصہ صاحب سلیمان علیہ السلام سے (جس نے
 کہا کہتا میں بلقیس کا تخت آکھوہ چکے لاتا ہوں) بخوبی پایا جاتا ہے۔
 اور کتب حدیث میں صحابہ اور تابعین کے کرامات کا بہت ذکر ہے۔
 اگر ابن تیمیہ نے ایسے ثابت اور صحیح مسئلہ کے واسطے شواہد لکھ دیئے تو
 کیا گناہ کیا۔ سب اصل مسئلہ پر شواہد اور تدابیر لیتے ہیں۔ چونکہ اس
 مسئلہ کی تحقیق متعین نہیں ہے۔ لہذا ہم اس بحث کو ختم کر کے مطلب کی
 طرف رجوع کرتے ہیں۔ صغالیط کا حیلہ۔ شواہد نے اپنے
 یہ سارے توسل اولیاء اللہ سے جائز کر دیا۔ اور ابن حزم پر طعن کیا۔
 ہداۃ میں۔ شواہد کافی۔ نے عزالدین ابن عسکریٰ السلام پر اعتراض کیا
 ہے۔ اور آپ لکھتے ہیں۔ (ابن حزم پر طعن کیا ہے۔) نماز و صلاۃ کلام اللہ
 اور حدیث رسول اللہ کا دعوے کر کے جو جو اجتہاد کئے ہیں۔ ان کی خوبیاں
 انھیں میں الشمس ہیں۔ یہ مطالعہ اور مراد لیت و نگہ کتاب کا جملہ دکھلایا ہے۔
 مثل مشہور ہے۔ نقل راجح عقل۔ مصنف صاحب اس میں بھی غبی کہتا ہے
 ہیں۔ پھر اس فہم پر اجتہاد کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔
 صغالیط ۱۹۔ اور ابن قیم نے اثاثۃ اللہ فان میں راگ کی حمت
 بیان کی۔ اور صحیح سند ایک بھی نہیں لایا۔ بلکہ صحاح کا خلاف کیا۔
 ہداۃ میں۔ جہاں ال سر کے ساتھ راگ لایا جاتا ہے۔ وہاں بلجہ
 بھی ہوئے ہیں۔ ابن قیم حمت معارف کی سند بخاری سے لائے ہیں۔

صحیح بخاری وہ کتاب ہے جس کی صحت پر علماء اہل سنت کا اتفاق ہے۔ مصنف صاحب خود کچھ نہیں جانتے بہ تقلید ابن حزم اس حدیث پر جرم کرتے ہیں۔ ابن حزم نے اس حدیث کو معلق بتلا کر جرم کی ہے۔ مگر امام نووی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متصل الاسناد ہے۔ اور ہشام بن عمار بخاری کے استاد ہیں۔ اور تنہوں نے تعلیق کا جرم کیا ہے۔ انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ مصنف کیسے شخص کا مستند ہو کر اجماع امت کا خلاف کرتا ہے۔ اور تاواضعوں کو درجہ تحسین میں ڈالتا ہے۔

۵۔ شیخ ولی اللہ نے قول الجلیل میں تفسیر کی ہے۔ کہ نہ مانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین جمیع اقسام بیعت الایمان علیہم متروک تھی۔ ہذا حدیث صاحب صفحہ (۱۱۱) میں لکھتے ہیں۔ کہ قول الجلیل کی نسبت طرف شاہ ولی اللہ کے غلط معلوم ہوئی ہے۔ اور یہاں اسی کتاب سے سہ لکھتے ہیں۔ اور غویبی نسبت سے لکھتے ہیں۔ جو اسی جہول المصنف کتاب پر اعتماد کر کے کیا قطع اور حدیث صحیحہ کو رد کرتے ہیں۔ وہ تحقیق ہو تو ایسی ہو۔ ہم نے فرغ کیا۔ قول الجلیل شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے۔ اور یہ قول انہیں کا ہے۔ مگر ہم ہاں یہ نمبر (۱۲) میں روایات سمجھ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ صحابہ کبار سوائے بیعت خلافت کے اور اقسام کی بیعت کرتے تھے۔ پس بر خلاف ان روایتوں کے یہ قول ہرگز تسلیم نہ کیا جاوے گا۔ اور

یہ کہیں گے کہ شاہ صاحب نے غلطی کھائی ہے۔ آخر وہ بھی بشر تھے۔

سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی خطا سے معصوم نہیں۔
مخالطہ سربراہ۔ امام مالک نے صیام سنتہ شریعہ کو بعد از تفحص واستقرار
حتی الوسع کے عدم وجدان روایت کو اصل ٹھہرا کر بدعت قرار دیا۔

ہذا باب۔ مصنف نے اس مثال کے سوا اور بہت سی مثالیں

لکھی ہیں۔ مگر اصل بحث سے کسی کو تعلق اور مناسبت نہیں ناحق

اسپنے اوقات کا خون کیا ہے۔ اور بہت سا لکھ لکھ کر لوگوں کو دھوکا

دیا ہے۔ بحث اس بات میں ہے کہ ایک امر کا سنت ہونا قرآن

مجید اور احادیث سے ثابت ہو چکا۔ مگر کسی شخص کو بزرگ خود صحابہ

اور تابعین کا عمل کرنا اس پر معصوم نہیں ہوا۔ کیا یہ شخص اس

سنت کو منسوخ کہہ سکتا ہے۔ یا نہیں اور اس بات میں اختلاف

نہیں کہ ایک امر کو قرآن و حدیث میں تلاش کریں جب اس کا ثبوت

کتاب و سنت سے نہ پایا جاوے۔ تو اس پر حکم بدعت یا حرمت کا

لگاویں یا نہ اس بارہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ کہ جو مسئلہ دونوں

اعلیٰ سے ثابت نہ ہو۔ وہ باجواز اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

ناظرین رسالہ ہماری اس تحریر کو دیکھ کر اگر انصاف کریں گے۔ تو سمجھ

جاویں گے کہ شارجہ از مبحث مثالیں ذکر کر کے مصنف نے کس قدر

ابلہ فریبی کی ہے۔ مصنف کو لازم تھا۔ کوئی ایسی مثال نہ لکھتا کہ

فلاں امر کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ مگر صحابہ کا تعامل اس پر

معلوم نہ ہونے کے سبب امام مالک یا کسی اور امام نے نہ صرف حدیث سے اس کو منسوخ کہا ہے۔ تبلیغ اور تلاش اور اجتہاد پر اس حد تک اعتبار کیا جاتا ہے جہاں حکم شرعی و استنباط نہ ہو مصنف ایسا پہلے سنت ثابتہ کو بھی رد کرتے لگے۔ تبلیغ اور استقراء وہاں کیا کرتے ہیں۔ جہاں کتاب و سنت سے حکم معلوم نہ ہو۔ اور نص کے مقابلہ میں اس کا ذکر کرنا اور حکم شائع کو اس سے منسوخ کرنا ظلم ہے۔ آگے چل کر آپ اور مٹھو کر گھولتے ہیں۔ اور چند مسطوروں کے بعد لکھتے ہیں۔ (سب اہل علم کی یہی عادت تھی۔ کہ مدار حکم تبلیغ اور استقراء پر رکھتے تھے۔ جب پیچھے ان کے روایت صحیح سے ثابت ہوا کہ صحابہ مستند مشواہل سنت تھے۔ تو علماء متاخرین نے جاری کر دیا جس منہ سے دعویٰ کیا تھا۔ کہ جب تلاش کے بعد تعامل صحابہ و تابعین کا حادیث پر نہ ملے۔ تو حکم منسوخ لگایا جواد سے لگا۔ اسی منہ سے یہ بھی اقرار ہے کہ علماء کو جب روایت صحیح ملی۔ تو تفحص اور تلاش امام مالک وغیرہ اہل علموں کو اعتبار نہیں دیا۔ بلکہ حدیث صحیح پر عمل جاری کر دیا۔ پھر بھولے پن سے لکھتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ اتنا نہیں سوچتے ہیں۔ کہ اس قول سے تو ہمارا دعویٰ بالکل باطل اور رد ہوا۔ اور اس ردی مثال کے یہ فقرے کہہ کر مرت کرتے ہیں۔ کہ مثالوں پر کچھ جھگڑا نہیں۔ جب فراغت شد دعویٰ بھی ثابت ہو گیا۔ اور مثال بھی مطابق آگئی۔

مغالطہ ۵۔ اگر کوئی کہے اس بیعت کے انکار کا کاتب الحروف

یہی منفرد ہے۔ اور کوئی مستثمل نہیں۔ اس لئے کاتب الحروف کہتا
 ہے کہ میں اس میں منفرد نہیں ہوں۔ بلکہ اکثر ائمہ دین صیبر سے
 سنا تھا ہیں۔ حدیثیں۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اکثر ائمہ میرے
 سنا تھا ہیں۔ میں کہتا ہوں آپ اکثر اور کثیر کو جاسنے دیکھئے۔ اگر صحیح
 کہتے ہیں تو ایک کا نام بتلائیے۔ فی الواقع کوئی تمہارے سنا تھا نہیں۔ فقط
 یہ سالہ قول الجلیل میں اتنا فقرہ دیکھ کر وطن قوم انہما مقصودہ محسلی
 قبول اختلاف اس لئے و شوری سے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر ائمہ دین کو
 اپنے سنا تھا متفق ہو گیا ہے۔ اگر ایک شخص کے نام کا پتہ لگ جاتا تو پھر
 کیا تھا۔ صاف کہتے کہ تمام جہان میرے سنا تھا ہے۔ سلف و خلف کا
 اجماع ہے۔ قول الجلیل وہی کتاب ہے جس کو آپ اس لائق
 نہیں سمجھتے کہ شاہ صاحب کی طرف نسبت کی جاوے۔ علاوہ انہی
 اس قول کا یہ مطلب بھی نہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ غفرلہ
 اسس کا بیان کریں گے۔

صرف ائمہ دین۔ کیونکہ قوم علماء مجتہدین جن کے انکار کی شخ سے
 نقل کی ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت صحیح اقسامہ بعد وفات
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باجماع متروک ہوئی۔ الابیوت قبول
 خلافت اور شیخ کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیعت
 کرتے تھے۔ اقامت ارکان اسلام کی اور کبھی تمسک بالسنت کے اور
 کبھی عدم سوال پرالی آخرہ جواب لغو ہے۔

حدیثیں۔ شاہ صاحب نے لفظ قوم بولا ہے۔ اور مصنف صاحب
 بمقتضائے زیانت۔ اس پر حاشیہ کرتے ہیں۔ (قوم علماء مجتہدین) اگر
 منکروں میں کوئی مشہور عالم یا مجتہد ہوتا۔ تو ضرور مفسرین اور شاہ جان
 حدیث کسی آیت یا حدیث کے نیچے اس اختلاف کا ذکر کرتے۔ اور مخالفانہ
 کا نام لیتے۔ دراصل یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو فن حدیث سے کچھ
 واقفیت نہیں۔ اور مصنف کی طرح بالکل علم سے کورے ہیں۔ اسی قوم
 پیغمبر مجہول الاسم نے تو سوائے بیعت خلافت کے تمام اقسام بیعت
 کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اور آپ وہینکا وہینگی ان کے قول۔ گہیوں
 تاویل کرتے ہیں۔ (ان کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت، بحکم اقسام بعد وفات
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باجماع متروک ہوئی۔) الا بیعت قبول خلافت
 اور شیخ کا جواب لغو ہے۔ کیونکہ خلافت دعویٰ کے۔ ہے (مصنف نے کوئی
 منکروں کی تحریر دیکھی ہے۔ نہ ان کا دعویٰ سنا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب
 نے کسی کی زبان سے ایسا باطل دعویٰ سنا۔ اور فظن قوم کہہ کر قتل کیا۔
 اور بخوبی یاد کر دیا۔ خود بدولت نے نہ کہیں ان کا قول دیکھا ہے۔ اور نہ
 ان لوگوں کو گم غیب الغیب سے یونہی مطلب سمجھ کر شاہ ولی اللہ صاحب
 سے لڑائی پانہی ہے۔ شاہ صاحب کی ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا
 ہے۔ کہ اس طائفہ کو وجود جمیع اقسام بیعت سے انکار ہے۔ اور اسی کا
 رد کیا ہے۔ واللہ اعلم قصیدی صاحب کیا سمجھ کر شیخ کے جواب کو خلاف
 دعویٰ بتلاتے ہیں۔ اور جناب شیخ کی طرف لفظ لغو نسبت کرتے ہیں۔

مثل مشہور ہے۔ جھوٹا منہ بڑی بات۔ کہاں قصوری اور کہاں ولی اللہ
 دہلوی ابن النثری من الثریا۔ ہاں اگر کہیں سے قوم کی عبارت نقل
 کر سکتے ہو۔ تو لاؤ اوّل علم دیکھیں گے۔ اور انصاف کریں گے۔
 مخالفہ ۵۔ اور پھر کہا ہے۔ کہ غیر خلفاء راشدین کے وقت میں
 متروک تھی۔ اس کا جواب یہ دیا۔ کہ اکثر خلیفوں سے ظالم اور فاسق تھے۔
 اس واسطے ان سے بیعت نہ کی گئی۔ اس پر یہ اعتراض ہے۔ کہ کل خلیفہ
 فاسق نہ تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کیوں نہ جاری کی۔
 ۱۔ اصل جواب یہ ہے۔ کہ خلفاء کے وقت میں بیعت متروک
 نہ تھی۔ اور اس بات کو ہم نے بعض ہدایت نمبر ۲۴، ثابت کر دیا ہے۔
 اگر صاحب قول الجہیل کی طرز اختیار کریں۔ تو یہ جواب ہے۔ کہ بیشک خلفاء
 راشدین کے بعد اکثر خلفاء فاسق گذرے ہیں۔ اور جو پرہیزگار تھے۔ سنتوں
 میں ان سے بھی قصور ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض خلفاء کبر و سجود کی وقت،
 بعض تکبیرات نہ کہتے۔ اور عمر بن عبدالعزیز نماز اول وقت نہ پڑھتے۔
 جب صلحاء بھی سنتوں میں سستی کرتے تھے۔ تو کیا تعجب ہے۔ اس
 سنت میں بھی سستی کی ہے۔ بالفرض اگر خلفاء کسی سنت کو ترک کر دیں۔
 تو کیا وہ سنت سنت نہ رہے گی۔ اور کیا حضرت رسالت کا قول و فعل
 عمر بن عبدالعزیز کی تصحیح کا محتاج ہے۔ استغفر ربک واطع
 نلیک۔ مخالفہ ۵۔ اور اگر خلیفہ فاسق تھے۔ تو اور علماء
 مجتہدین تبع تابعین موجود تھے۔ انہوں نے کیوں نہ بیعت کی معلوم

ہوتا ہے۔ کہ شیخ کے زعم میں بیعت صرف خلیفہ پر منحصر ہے۔ فتدبرع
مراخواندی و خود بیدام آمدی۔ **ہذا ایضاً**۔ قول الجلیل فراموشی نے
اس اعتراض کو بخوبی رفع کر دیا ہے۔ مگر مصنف کو قصور حافظہ کے سبب
کچھ یاد نہیں رہتا۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ بیعت کے سبب
فتنہ کا خوف تھا۔ لوگ شاید بیعت خلافت کا گمان کرتے۔ اور خلیفہ دشمن
ہو جاتے۔ اختیاطاً علماء نے اس کو ترک کر دیا۔ آئندہ اس جواب کو یاد
رکھئے اور کہیے اور بجائے مراخواندی و خود بیدام آمدی کے یہ بیعت ورد
کیجئے۔ **۵**۔ شہ غلامی کہ پچھو آؤ۔ آپ جو آمد و غلام بہ برد

۵۔ **۵**۔ پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بیعت تمسک بحبل
التقری بھی متروک تھی۔ خلفاء راشدین کے وقت میں اس واسطے کہ وہ
صحابہ تھے۔ ان کو جہنم کی صحبت کی برکت سے کسی کے سائقہ بیعت
کی حاجت نہ تھی۔ راقم کہتا ہے۔ اگر صحابہ کو حاجت نہ تھی۔ تو اور لوگ
جو روم و شام وغیرہ ملکوں کے جوئے مسلمان ہوتے تھے۔ ان کو بھی حاجت
نہ تھی۔ اقامت سنت کی کس کو حاجت نہیں ہوتی۔ پھر السلام علیکم بھی
ترک کرنا چاہیئے تھا۔ **۵**۔ **۵**۔ پہلے تو صحابہ کرام کا ترک ناسخ
حایث بتلایا تھا۔ اب شام و روم کے نو مسلموں کو ترک ناسخ ٹھہرایا۔
روم و شام کے نو مسلم کسی سنت کو اگر ترک کر دیں۔ تاہم وہ سنت رہے گی۔
اور یہ جو آپ لکھتے ہیں۔ کہ السلام علیک ترک کرنا چاہیئے تھا۔ واہ کیا خوب
رجحان سے اور تہجد میں غفلت ہو جانے سے۔ وہ اوقات پر گمانہ کی سنتیں بھی

چھوڑ دے۔ یہ مثل مشہور ہے۔ سارا جانا دیکھئے آدم عادیجئے بانٹ ملا
میرکے لائیکر کلر لٹد کہیں مستعقدین کو یہ قاعدہ نہ بتلا دینا۔

مغالطہ ۵۶۔ برکت صحبت اقامت سنت کی دلیل ہے۔ نہ ترک
سنت کی۔ ہل ادیس۔ بیعت ان سنتوں میں سے نہیں ہے جو روزِ آخر
کی جاوے۔ بلکہ اگر کسی کو ایک ہی دفعہ کرے تو بھی کفایت کرتی ہے۔ جیسا کہ بار
کدیکر بھی نصیب ہوئی تھی۔ اور وہ آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے فیضیاب
ہو چکے تھے۔ انصاف سے کہو۔ کہ ان کو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرنے
کی کیا حاجت نہ ہی۔ آفتاب کے سامنے مشعل کون جلاتا ہے۔

مغالطہ ۵۷۔ بلکہ اتنا ہی کافی تھا کہ کل بیعتیں من اولہ الی آخرہ اسی
خوف سے (یعنی خوفِ تفرق و فتنہ و فساد) ترک ہوئیں۔ الا بیعت قبول
خلافت۔ ہل ادیس۔ جزاک اللہ آپ نے سچ کہا۔ ہم بھی مانتے
ہیں۔ کہ خوفِ فتنہ سے صلحاء امت نے بیعت کو ترک کر دیا تھا۔ اور
یہی شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ اب آپ کی ساری بحث لغو ٹھہری۔ آئندہ
بیعت کو کہی بدعت نہ کہنا۔ عذر شود سببِ خیر اگر خدا خواہد خمیر مایہ
وکان شیشہ گر سنگ است۔

مغالطہ ۵۸۔ صوفیوں نے بیعت کی جگہ خرقہ رکھا۔ اب فرمائیے تغیر
سنت کے کیا معنی یہی ہیں۔ کہ ایک سنت کو ترک کر کے اسی کی
جگہ ایک شے مستقر قائم کر لینی۔
ہل ادیس۔ بعض محشیین کہتے ہیں۔ تغیر القرون میں خرقہ جاری ہو گیا ہے۔

اور جس امر کا غیر القرون میں رواج ہو۔ علمائے محققین کے نزدیک وہ داخل بدعت نہیں ہوتا۔ خاص کر جب کہ داخل فی الدین نہ سمجھا جاتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اختصار المصروفات میں المشرقۃ میں اور تلامذہ علی قاری نے موضوعات کیسے میں ناقلاً سے قادی سے اور قسطلانی نے حافظ ابن حجر سے اور حمید العزیز طغانی نے اپنی کتاب کوثر البی میں رواج شرقیہ کو غیر القرون سے (جس کی غیر ہونے کی حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دی ہے) ثابت کیا ہے۔ مصنف کتوہ نظر ہے۔ سوائے چند مسائل متداولہ کے اور کسی کتاب کی خبر نہیں دلی سے بن دیکھے رستہ چلتا ہے۔ اور قدم قدم پر کتوہ کریں کتوہ تاسیہ غیر القرون کو اہل بدعت ٹھہرانا اور ان کے رواج کو بدعت کہنا خواہج کا کام ہے۔ اگر مصنف کو خبر ہوتی۔ تو محالہاً طعن نہ کرتا۔ بالفرض اگر غیر القرون کی طرف نظر نہ کریں۔ اور روایات مذکورہ کو صحیح نہ سمجھیں۔ سمجھیں کہ بعض محدثین کا قول ہے۔ تاہم طائفہ صوفیا حدیث ام خالہ اور حدیث استنباط کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے ام خالہ کو کوئی عنایت نہ فرمائی۔ اور معاذ کو جب یمن کی طرف رخصت کیا۔ تو عمامہ پہنایا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک بھی یہ استنباط صحیح نہیں۔ مگر چونکہ یہ ایک اجتہادی خطا ہے۔ اس لئے ان کو معذور سمجھ کر صرف خطا و پرہیز کر دینا چاہیے۔ باقی اور عیب گیری باطل ہے۔

مخالفہ اول ۵۹۔ پھر اگر نبوت سے ترکہ مقدار تو بلا ہمت، انہوں نے

کیوں کی۔ چاہئے تھا کہ وہاں سے ہجرت کرتے۔ جہاں سنت قائم
ہوتی۔ وہاں جا کر رہتے۔ **ہدایہ**۔ اس وقت تمام دارالاسلام
تو خلیفہ کا قلم رو تھا۔ اور جو مخالفین کے ملک تھے۔ وہ دارالحرب تھے
ایک سنت کیواسطے دارالاسلام کو چھوڑ کر دار کفر میں جانا اور ہزار قبائل
اور معصیت کے مرتکب ہونا کوئی مسلمان پسند نہ کرے گا۔ اگر مصنف
صاحب ہوتے۔ تو فتوے جاری کر دیتے۔

مخالطہ۔ اگر ہجرت نہ ہو سکتی۔ تو ہجرت کی استطاعت
پانے تک تکیہ کرتے۔ چھپ چھپ کر ایسے طریق سے سنت ادا کرتے
جس سے وہ بیعت خلافت کا نہ پڑتا۔

ہدایہ۔ بھلا اگر کوئی کہے۔ کہ وہ لوگ ضرور چھپ کر بیعت
کرتے تھے۔ تو آپ کس طرح اس کو جھٹلا سکتے ہیں۔ پردہ کی بات
کو سوائے اللہ کے کون جانتا ہے۔ کسی کو غیب کا علم ہو تو اثبات
یا انکار کا دعویٰ کرے۔ اس کا علم خدا کے سپرد کرو۔ اس معاملہ میں جان
کا خوف تھا۔ اس کو حتی الوسع لوگ چھپاتے تھے۔ جب اس وقت کے
حاکموں تک کو خبر نہ ہوتی تھی۔ تو آج ہزار سال بعد ہمیں کس طرح حالی
معلوم ہو جاوے۔ کہ بیعت کرتے تھے۔ یا نہیں۔ اگر ہم فرض کریں۔ کہ
میں لوگوں نے خوف حکام سے بیعت کو ترک کر دیا تھا۔ تو بھی شرعاً کچھ
الزام اور مواخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ بلا عذر تارک السنہ پر الزام نہیں۔ اور
یہ جو آپ نے تکیہ کا ارشاد کیا ہے۔ آپ پہلے یہ ثابت کر دیں۔ کہ بیعت

واجب تھی۔ اور وہ لوگ زہ پر وہ بھی نہ کرتے تھے۔ (تو ہم آپ کیساتھ متفق ہو کر ان کو ملامت کریں گے۔ اور آپ کو گائل بیعت سمجھ کر بحث چھیڑ دیں گے۔ **مرضا الطحاوی**۔ کیا یہ بھی دواؤ طبعی ہے۔ کیا ایک دوا نہ ملی۔ تو دوسری دوا قائم مقام اس کے ڈال دیں۔

ہدایہ۔ دین محمدی میں حکیم مطلق نے بہت سہولت رکھی ہے۔ مثلاً اگر پانی نہ ملے۔ یا استعمال نہ کر سکے۔ تو عجم جائز ہے۔ اور قرآن مجید یاد نہ ہو۔ تو صرف سبحان اللہ والحمد للہ کہنا نماز میں کافی ہے۔ اور جو قیام نہ کر سکے۔ وہ بیٹھ کر اور بیٹھ نہ سکے تو لیٹ کر نماز اور ضعیف العمر روزہ نہ رکھ سکے۔ تو قدرہ ادا کرے۔ نماز کے وقت مسجد پاس نہ ہو۔ تو تمام زمین مسجد ہے۔ یہ سب بدل ہیں۔ اور بھی شریعت میں ایسی بہت صورتیں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ طب روحانی میں طب یونانی کی نسبت زیادہ آسانی رکھی گئی ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔ **وما جعل علیکم فی الدین من حرج** اللہ نے دین میں تم پر تنگی نہیں کی۔ جب طب جسمانی میں اصلا ح بدنی کے واسطے اطمینان بدل تجویز کی ہیں۔ تو علاج روحانی کے لئے حکیم حقیقی واسطے رفع حرج کے کیوں بدل مقرر نہ فرمادے گا۔ ہاں دوا کے تغیر و تبدل میں ہیرا۔ کو کچھ اختیار نہیں یہ حکیم کا کام ہے۔

مغلایہ۔ اور کسی تواریخ سے بھی ثابت نہیں۔ کہ خلفائے کسی مشائخ کو جب گناہوں نے بیعت شروع کی منع کیا ہو۔

تھدا اویلا۔ جب تک رسم بیعت خلیفوں میں جاری تھی۔ ان کے
خوف سے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوتی تھی۔ جب خلیفوں نے
رسم بیعت کو ترک کر دیا۔ اور بیعت ان کی رسم نہ رہی۔ تو لوگوں کو اس
کام سے کیوں منع کرتے۔ پھر بھی جس کے ہاتھ پر بیعت اور جمیعت کثیر
ہوتی تھی۔ حکام ان سے دشمنی رکھتے تھے۔ قصوری صاحب آپ تاریخ
سے واقف نہیں۔ ابھی ہندوستان میں یہ واقع گزرا ہے۔ شیخ
نظام الدین المعروف سلطان الاولیاء کے ہاتھ پر جب لاکھوں مسلمانوں
نے بیعت کی۔ تو بادشاہ وقت کو دل میں غرہ شد ہوا۔ اور شیخ کا دشمن
ہو گیا۔ مخالفطہ ص ۶۱۱۔ شیخ صاحب تو خود اور ان کے والد
ماجد اس بلا میں مبتلا تھے۔

تھدا اویلا۔ دیکھو قصوری کے فہم کا قصور اور عقل کا فتور یہاں عامل
سنت کو گرفتار بلا کہا ہے۔ اور آگے چل کر اسی رسالہ میں فتویٰ دیا
ہے۔ اگر کوئی کسی کے آگے کھانا رکھ کر بطور اجازت کے کہے بسم اللہ
جیسا کہ عام رواج ہے۔ کہتے ہیں۔ بسم اللہ کہنے والا کافر ہو جائے
گا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ بسم اللہ کہنے سے اور سنت پر عمل کرنے سے
تو آدمی کافر اور بدعتی ہو جاتا ہے۔ اب ہدایت کرس چیزیں باقی رہی۔
ربنا لا تنزع قلوبنا بعد اذ ہدایتنا۔

مخالطہ ص ۶۱۱۔ میں کہتا ہوں شیخ صاحب نے جاری کئے کیوں
فرمایا۔ بلکہ لفظ استحداث کہنا چاہیئے تھا۔

جہاں یہ ہے۔ مثلاً صاحب شیخ کی عبارت کو دیکھو۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ
(بیعت مسنونہ جاری کی) اگر لفظ استحدثا لکھتے۔ تو یوں عبارت
ہو جاتی۔ بیعت مسنونہ استحدثا کی بجائے مسنون بھی کہی اور عبارت
ہو تا ہے۔ کچھ تو آگے پیچھے دیکھا کرو۔ اور بیعت مسنون کوئی ایسے
اجزاء سے مرکب چیز نہیں۔ کہ جس میں یہ تاویل کر کے (جو کچھ سنت
ہے۔ اور کچھ بدعت مستحدثہ) آپ کی اصطلاح کو صحیح بنایا جاوے ایک
ہی چیز کو سنت اور بدعت کہنا عقلمندوں کا کام نہیں۔

دفعہ ۱۵۵۔ اور سنت متروکہ اور منسوخہ یا جماع کو جاری کرنے
والے کی مصداق ہوئی۔ جہاں آپ نے مصنف نے صحت میں کہا ہے
(اکثر آئمہ میرے ساتھ ہیں) چنانچہ اس کا رد ہدایہ نمبر (۵۲) میں ہم کر چکے
ہیں۔ اور یہاں لکھتا ہے۔ (سنت منسوخہ یا جماع) مصنف مبالغہ کرنے
میں استوار ہے۔ اگر شاہ عریضہ تاجوب نام پاتا۔ اصل بات تو اتنی تھی۔
فطن قوم ہم آپ نے اس کے معنی کئے۔ (قوم علماء مجتہدین) پھر
اس پر حاشیہ کیا۔ (اکثر آئمہ میرے ساتھ ہیں) اور یہاں پر چکر چڑھتا ہے
جولانی پر آئی لکھ دیا (بیعت سنت منسوخہ یا جماع ہے) بے دلیل
و دعویٰ کرنا دروغ گوئی کی علامت ہے۔ اگر آپ کا دوسرے صحیح ہے۔
تو ایک ہی معتبر عالم کا قول نقل کیجئے۔ اجماع یا اکثر اماموں کا اتفاق
ثابت کرنا تو امر محال ہے۔ کم فہمی سے مصنف نے اور بھی اعتراضات
قول الجلیل پر کئے ہیں۔ چونکہ ہماری بحث سے ان کو علاوہ نہیں اس

سے ہم کچھ تعرض نہیں کرتے۔ مصنف نے یہاں تک بڑھ کر لکھا ہے۔
 کہ شاہ صاحب نے قول الجہیل کو کفر و شرک سے بہرہ دیا ہے۔ استغفر اللہ
 شاہ ولی اللہ وہ شخص ہے جس نے اتباع سنت اور توحید
 کا سب سے پہلے ہندوستان میں بیج بویا ہے۔ بلکہ ان کے بعد
 بھی آج تک اس ملک میں ایسا شخص کم معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس
 نے رد شرک و بدعت اور احیائے سنت میں ویسی کوشش کی۔
 ہو۔ شاہ صاحب کا علم و فضل اور اتباع سنت ان کی تصانیف کو
 دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ خاص کر حجتہ اللہ البالغہ عقد الجید الفاضل
 تفسیرات کے مطالعہ سے تو یقین ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص لا ثانی تھا۔
 متاخرین تو کیا متقدمین میں بھی کوئی ایسا کم گذرا ہو گا۔ ان کتابوں
 میں اتباع کتاب و سنت کی طرح طرح سے تائید کر کے تقلید و بدعت
 کی خوب جڑ اکھاڑی ہے۔ اس نہ مانہ کہ سب علماء اسی خاندان
 کے خوشہ چین ہیں۔ انہیں سے فضاہ ہونا اور انہیں برا اعتراض
 بیجا کرنا کفرانِ نعمت کی علامت ہے۔ ہم سب مسلمانوں کو چاہیے
 کہ ایسے پیشوائے دین سے محبت رکھیں۔ انحضرت دُعا کیا کرتے
 تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ اے
 پروردگار تو ہمیں اپنی اور اپنے دوستوں کی محبت نصیب کر۔
 مخالفہ ۶۶۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی ہوا اللہ کے
 کسی کو دل میں توبہ القاء نہیں کر سکتا۔

حاصل ہیں۔ جو ایت مختلف نے لکھی ہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے۔
 کہ جس کو اللہ گمراہ کرے۔ اس کا کوئی ہادی نہیں۔ یہ بات بیشک
 حق ہے۔ جس کی قسمت میں گمراہی لکھی گئی۔ وہ کبھی ہدایت نہیں پاتا۔
 مگر اس آیت کا یہ مطلب نہیں۔ کہ انبیاء اور اصفیاء سے خلقت کو
 کچھ ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ پروردگار فرماتا ہے۔ **وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ**
الضَّالِّينَ اے مستقیم اے نبی تو ہدایت کرتا ہے۔ سیدھے راہ
 کی طرف اور فرمایا۔ **كُنَّا نَزِّلْنَاكَ بِالْبَيِّنَاتِ لَنُنْفِخَ بِالنَّاسِ**
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ یہ کتاب ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تاکہ
 تو لوگوں کو اندھیروں سے طرف روشنی کے۔ اور فرمایا۔ **وَنُكَلِّمُ**
قَوْمًا بِدُرُودِهِمْ کے واسطے ایکسا رہتا ہے۔ اور فرمایا **وَمِنْ بَيْنِ خَلْقِنَا**
أُمَّةً يَهْدِي اللَّهُ بالحق ہماری مخلوقات میں سے ایسے ہیں۔ جو
 سچی راہ بتلاتے ہیں۔ ان آیات سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت
 خاتم المرسلین ہمیں سیدھی راہ دکھلائے کہ اسے اور موافق ہدایت قرآن
 کے ظلمات سے طرف نور کی کھنچ کر لاتے ہیں۔ اور ہر امت کی طرف
 رہنمائی کے واسطے رسول آتے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت بند گاہ
 خلا میں سے ایسے لوگ موجود رہتے ہیں۔ جو گمراہوں کو راہ حق
 بتلا دیں۔ ہدایت اور ضلالت تقدیر الہی کے تابع ہے۔ وہ چاہے تو
 ہدایت کرے نہ چاہے تو نہ کرے۔ اس میں کسی کو انکار نہیں۔ فاعل حقیقی
 وہی ہے۔ مگر انبیاء اور کتب آسمانی اور صلحاء اور علما کو پروردگار

نے اسباب ہدایت قرار دیا ہے۔ اگر ان کو ہدایت خلاق میں کچھ دخل نہ پہنچتا تو پروردگار رسول نہ بھیجتا اور کتابیں نازل نہ فرماتا۔ اور امر بالمعروف کی تاکید نہ کرتا۔ اب جو فرایہ صحبت صلحا و اور علماء کا انکار کرے۔ وہ معاذ اللہ تمام اسباب ہدایت کو لغو ٹھہراتا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ ہی مرشد ہے۔ اور کسی کو مرشد کہنا قرآنی تشریف کے خلاف ہے۔ اور قہیدہ علیا میں جو اس رسالہ سے پیچھے بنایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ میرا مرشد رسول اللہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اس قول سے تاثر ہو گئے ہیں یا اپنے واسطے قرآن شریف کا خلاف سمجھتے ہیں۔ اور ان کے لئے ناجائز۔

در خالطہ بلائہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی جندہ کامل کو حکم نہیں کہ کسی کو اپنا عبد یا مرید یا چیلہ کہے۔ اور یہ حکم ہے کہ سب ربانی اور اللہ والے بنو۔

حدیث اس آیت کی شان نزول مفسرین یوں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت کو نبوت ملی۔ اور آپ تمام خلقت کو طرف توحید اور اقرار رسالت کے بلایا۔ تو یہودیوں نے لوگوں میں یہ بات مشہور کی کہ خدا کو ہم بھی مانتے ہیں۔ مگر یہ شخص (مدعی نبوت) چاہتا ہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ۔ یعنی توحید کو اپنا معبود سمجھو۔ غرض اس تہمت سے آنحضرت کو بے نام کرنا چاہا۔ تاکہ کوئی شخص آپ کی بات نہ مانے۔ اور آپ کا دین اختیار نہ کرے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرما

کر ان کا فریب کھول دیا۔ اور ارشاد کیا کہ نبی شرک نہیں بتلایا کرتے۔
 ہمارا رسول یہ حکم کرتا ہے کہ تم خدا پرست بنو۔ اس واسطے جو تم
 (اسے اپنی کتاب) کتاب پڑھتے پڑھاتے رہو۔ قصوری صاحب
 یہی احبار کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اہل اللہ پر تعلیم شرک و بدعت کی
 تہمتیں لگا کر خلافت کو ان سے نفرت دلاتے ہیں۔ عباد کے معنی اس
 جگہ عبادت کرنے والے ہیں جیسا کہ مصنف نے بھی تصریح کی ہے۔
 پس اس لفظ سے پیر و مرید کہنے کی نہایت استنباط کرنا ظلم اور تحریف
 ہے۔ پیر اور مرید ہیں تو شاگرد اور استاد و مالی نسبت ہے جس
 سے کوئی فن یا علم یا خاص کرامت حاصل کیا ہے۔ اس کو استاد
 اور شاگرد کہتے ہیں۔ اور جو مرد کامل طریقہ حضور وائلی کا (جس کو احمدی
 شریع میں احسان کہتے ہیں) بتلا دے اس کو مرشد اور پیر کہہ کر لکارتے
 ہیں۔ احسان کا درجہ سب گھلوں سے بڑھ کر ہے۔ اور جو اس
 عالی منصب پر مرقی ہوئی ہیں۔ وہی پیر اور عیشوا سمجھے جاتے ہیں۔
 اگرچہ یہ صوفیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اسلام کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو
 ہم آپ کو پیر بتلا دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل الاول کا
 مطالعہ کرو۔ درجہ احسان کا اس میں صاف صاف ذکر ہے۔ میں
 کہتا ہوں قصوری سے نہ یادہ کس کی حالت قابل افسوس ہوگی۔
 تعلیم مرتبہ احسان کو شرک اندر بدعت کہتا ہے۔ اور ان کا ملیں
 کے حقیقین جو اس طریقہ کے معلم ہیں۔ آیت کو ذرا احباب الی صحت

درود اللہ پڑھتا ہے اس بے محل آیت لانے سے معلوم ہوا کہ
 تحریف جو عادت یہود ہے۔ آپ میں یہ بھی موجود ہے۔ بعض علماء
 ہمعصر ہمارے کہتے ہیں۔ کہ بیعت صالحوں کے ہاتھ پر بیشک سنت
 ہے۔ مگر پیری مریدی بدعت ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ان کی بڑی بھاری
 غلطی ہے۔ جب بیعت صالحوں کے ہاتھ پر سنت سمجھتے ہیں۔ پس
 پیری مریدی کہ عبارت ہے۔ بیعت کرنے اور طریقہ احسان بتلانے
 سے جو دونوں کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ کیوں بدعت ہوئی۔
 بلکہ اس وقت میں پیری و مریدی فقط بیعت لینے اور کرنے کا
 نام ہے۔ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جاوے۔ اکثر اور کچھ
 نہ بتلاوے۔ اس کو پیر کہتے ہیں۔ اور بیعت کرنے والے کو مرید
 کہتے ہیں۔ جب بیعت سنت ہے۔ تو عمل اس کا کیوں بدعت ہو۔
 اور عامل اس کا کیوں مبتدع ہو۔ اس تقریر سے جب وہ لاجواب
 ہو جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مطلب یہ ہے۔ کہ بیعت
 لینے والے پیر کا نام رکھنا اور کرنے والے کو مرید کہنا بدعت
 ہے۔ اور یہ قول ان کا بھی غلط ہے۔ کیوں کہ اسماء اور عاویہ سے
 میں باور عامور عاویہ میں بالاتفاق بدعت نہیں ہوتی۔ مثلاً غلام علی
 احمد اللہ، غلام اللہ، عطاء اللہ و امثال ذلک نام رکھنا اور استاد
 شاگرد کہنا بھی بدعت ہو جائے گی۔ کیوں کہ یہ نام سلف سے منقول
 نہیں۔ ہاں اگر کوئی فقط اس خالی نام کو ثواب اور عبادت سمجھے۔

تو بے شک اس کے حق میں بدعت ہو گئی۔

۶۸۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن ہی کی تعلیم کریں۔ اور اسی تعلیم سے راہ دین دکھادیں۔ نہ بذریعہ کسی اور طریقہ مخفی نہ کہ حدیث۔ کلمہ حق دار ادبہا باطلا مصنف نے بات تو ٹھیک کہی۔ مگر اس کی غرض باطل ہے۔ دیکھو مغالطہ (۱۲) ص ۶ میں تعلیم فاتحہ پر انکار کیا ہے۔ اور یہاں قرآن کی اجازت دیتا ہے۔ کیا الحمد قرآن مجید میں سے نہیں۔ کامل مصنف اپنے ہی قول کے موافق عمل کرتا اور حدیث میں اگر طریقہ مسنونہ پر جو قرآن و حدیث اور تعامل صدیقین امت سے ثابت ہے۔ اعتراض نہ کرتا۔ منہ سے حق کہنا اور خود گمراہی قواعد سے اس کو روک کر کے خلافت عمل کرنا اہل حق سے بعید ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا الم تقفون ما لا تفعلون کبیر مقتدا عند اللہ ان تقودوا ما لا تفعلون اسے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو۔ جو تم نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بڑی بڑی غصیب کا باعث ہے۔ جو تم منہ سے کہو اور نہ کرو۔

مغالطہ ۶۹۔ اور شیخ صاحب اور ان کی اولاد و مجاہد اپنی کتابوں میں صریح لکھتے ہیں۔ کہ یہ سب باتیں شرک ہیں شاید شیخ صاحب نے کسی مصلحت سے لکھا ہو گا۔

حدیث ۱۰۔ مناسب تھا۔ کہ آپ یوں کہتے (مشاید شیخ علیہ الرحمہ

کی کلام میری سمجھ میں نہیں آئی، ورنہ نہ یہ کیا عذر ہے کہ شیخ نے
 کسی مصلحت سے لکھا ہوگا۔ کوئی ایسی مصلحت بھی ہے جس کے
 سبب شرک اور بدعت کا رواج دینا جائز ہو جائے۔ غالباً آپ
 کے نزدیک مصلحتاً جھوٹ بولنا دینی مسائل میں درست ہوگا۔
 آپ کا رسالہ بہتان اور جھوٹ کا مجموعہ ہے۔

مغالطہ ہے۔ اور ظاہر ہے۔ قوم سے مراد شیخ کے قول میں
 قوم مجتہدین کی ہے۔ الی قولہ اس بیان سے ثابت ہوا کہ راقم
 اس بات میں منفرد نہیں ہے۔ بلکہ اور مجتہدین بھی میرے ساتھ ہیں
 دہلی میں۔ شاہ صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے۔ کہ ایک قوم
 نے بیعت کو خلافت پر منحصر سمجھا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے
 وچذاخت فاسد منہم یہ ان کا گمان غلط ہے۔ شاہ صاحب
 تو اس قول کو رد کر چکے ہیں۔ قصوری صاحب کے پاس اور کوئی
 سند نہیں۔ یہی عبارت جس کا قائل بھی مصنف کے نزدیک جھوٹ
 ہے۔ بار بار نقل فرماتے ہیں۔ اگر کوئی مجتہد یا امام یا معتبر عالم بیعت
 کو قبول خلافت پر منحصر سمجھتا۔ تو ضرور مفسرین و محدثین کسی کتاب
 میں اس کا قول نقل کرتے اور نام بھی لکھتے۔ صد ہا کتابیں موجود
 ہیں۔ کسی میں یہ مسئلہ پایا نہیں جاتا۔ پھر اس بناء فاسد پر جو آپ
 نے دعوئے کیا ہے۔ اس میں بڑا خلل اور اختلاف ہے۔ حدیث
 میں لکھتے ہیں۔ (باجماع امت بیعت منسوخ ہے) اور صفحہ ۵۱

نکھتا ہے۔ (اکثر ائمہ دین میرے ساتھ ہیں) اور یہاں کہتے ہیں۔
 وراقم اس بات میں منفرد نہیں، مصنف نے اظہارِ ضبط اور جنون
 میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ اگر لوگ اب بھی نہ سمجھیں۔ تو ان کا قصور ہے۔
 ہم قصوری صاحب سے رعایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجماع
 امت اور اتفاق اکثر ائمہ کا ثبوت ان کو معاف صرف ایک مجتہد یا معتبر
 عالم کا نام بتلا دیں۔ تب ہم ان کو معذور سمجھیں گے۔ ہدایہ نمبر ۱۵۱
 نمبر ۱۵۲ میں اس مسئلہ کو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ ناظرین اگر توجہ کریں
 گے۔ تو حق ظاہر ہو جائے گا۔

۱۷۱ **مخالفات**۔ جیسا کہ تحدید ابن حبان کی اور ابن جوزی کی کتاب
 تلخیص ابلیس اور شیخ احمد موصوف کے قواعدوں سے اور عبد الحق صاحب
 کی شروع سے جو ان قواعد کی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت علماء
 نے عتصوفہ کے طروق کا انکار کیا ہے۔

۱۷۲ **ہدایہ**۔ علماء نے اس طائفہ کی بدعتوں کو بہت رد کیا ہے اور
 روایات میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مگر کسی نے آپ کی طرح بیعت
 توبہ اور بیعت اسلام اور بیعت اتباع سنت کو رد نہیں کیا۔ انکار
 حق خاص آپ کا حصہ ہے۔ ابن جوزی زعمہ اللہ نے جیسے موصوفوں
 پر نکتہ چینی کی ہے۔ ویسے محدثین اور فقہاء اور واعظین کے عیوب
 بھی ظاہر کئے ہیں ہم نے فرس کیا اس طائفہ کے روایات و روایات
 ہیں۔ ابن جوزی یا کسی اور سے بیعت کا انکار ثابت کرے۔ بخاری و

مطلب جھگڑا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔

مغالطہ ہے۔ راقم کہتا ہے کہ نووی کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت تو یہ واستغفار کی اول امر میں تھی۔ یعنی قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت متروک ہوئی۔ ہل ایس۔ نووی رحمۃ اللہ نے جو فرمایا۔ درست فرمایا مگر آپ کا استنباط اس سے غلط اور بہتان ہے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ بعد از ہجرت بیعت متروک ہو گئی تھی یہ قصوری صاحب کا الحاق ہے۔ واسطے تسلی ناظرین کے ہم ان روایتوں کو نقل کرتے ہیں۔ یا یعنایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لا تشربک بالثہ شیئاً لا نحرک ولا نسرک ولا فقتل النفس التي حور اللہ، الا بالحق عبادہ بن صامت فرماتے ہیں۔ ہم نے بیعت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ہم کبھی شرک اور نہ نا اور چوری اور خون ناحق نہ کریں گے۔ امام نووی بعد نقل روایت کے کہتے ہیں۔ یہ معاملہ قبل از ہجرت ہوا تھا۔ مگر یہ نہیں کہا کہ ہجرت کے بعد کبھی آنحضرت نے بیعت تو یہ نہیں لی اور نہ امام موصوف ایسا کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ صحیحین کی روایت سے اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ مصنف نے کج فہمی سے ایسا سمجھا اور امام کے ذمہ لگا دیا۔ صحیحین میں ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحواء عصایہ من عاقبہ والنشاء عفا عنہ قال فیا یعنایہ علی خلیفک آنحضرت کی مجلس میں

اصحاب کبار حاضر تھے۔ آپ نے ارشاد کیا۔ اؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو۔ جو ہم شرک اور چوری اور زنا نہ کریں گے۔ اور اپنی اولاد کو نہ ماریں گے اور کسی پر بہتان نہ کریں گے اور حکم ہی کا خلاف نہ کریں گے۔ اور صحیح بخاری اور نسائی کی روایت میں ہے۔ کہ آپ نے یہ آیت بھی پڑھی۔ اذ اجالۃ المؤمنات بیایعنک الخ پس فرمایا جو شخص اس وعدہ کو پورا کرے گا۔ اللہ اس کو اجر دے گا۔ اور جو ان گناہوں کا مرتکب ہوا۔ اور سزا دیا گیا۔ پس سزا اسکے لئے کفارہ ہے۔ اور جسے گنہگار کی خدا پر وہ پوشی کرے۔ اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ خواہ عذاب دیوے۔ خواہ بخشنے راوی کہتا ہے۔ بصرہم نے اس بات پر آنحضرت سے بیعت کی۔ لفظ عوقب سے اور آیہ اذ اجالۃ المؤمنات پڑھنے سے صاف ثابت ہے۔ کہ یہ بیعت آنحضرت نے بعد از ہجرت کی تھی۔ کیوں کہ لفظ عقاب سے مراد حدود شرعی ہیں۔ اور حدود کا حکم بعد ہجرت نازل ہوا تھا۔ اور ایسی ہی آیت مذکورہ بھی نہ مانہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی تھی۔ گویا یہ حدیث دو طرح ہمارے دعویٰ کے موافق شہادت دیتی ہے۔ مصنف نے الفاظ صریح کو چھوڑ کر کج فہمی سے الٹا دعویٰ کر کے اس کو نووی کی طرف تاحی منسوب کیا ہے۔ متوجہ نہ کہتا ہے۔ قصوری صاحب کی تحریروں کے مطالعہ سے ہمیں اندر دئے انصاف اس طرح کی رلیو لکھنے کا اور رائے دینے کا موقع ملا ہے۔ کہ اس سالہ کے اکثر دعویہ غلط اور دلائل

مخالطات اور روایات منقولہ محض افتراء ہیں۔

مخالطہ ۳۱۔ اس حدیث سے تصدیق ہوتی ہے۔ قول مسلم کی اس نے کہا ہے۔ کہ یہ بیعت اول اسلام میں تھی۔ حدیث میں تصدیق صاحب سوانح سمجھ کر منہ سے بات نکالو۔ صحیح مسلم میں تو اس کا اشارہ بھی نہیں ہاں نووی نے اتنا کہا ہے۔ کہ یہ بیعت لیلۃ القبہ میں ہوئی ہے آپ نے اس پر حاشیہ کیا۔ کہ بعد از ہجرت بیعت متروک ہوئی (اور آپ نے حاشیہ کو امام موصوف کے ذمہ لگایا۔ اس افتراء کو ہم بخوبی رد کر چکے۔ کیا آپ مسلم اور نووی کو ایک سمجھتے ہیں۔ یا افتراء کی عادت ہو گئی ہے۔ ادر تا مری ہم احلامہ ہم ہذا ادر ہم قوہ طاغوت نووی اور مسلم اگر ایک ہیں۔ تو آپ کیوں غیر سمجھ گئے۔

مخالطہ ۳۲۔ پھر آپ نے بیعت مردوں سے بھی ترک کر دی۔ حدیث میں۔ حدیث متفق علیہ جس کو ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ اس باطل دعویٰ ابطال کے واسطے کافی ہے۔ مخالطہ ۳۳۔ بیعت ثوبہ و استغفارہ کہ اول میں تھی۔ یعنی قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت متروک ہوئی۔ اس پر وال ہے۔ یہ آیت شریف یا ایہا النبی اذا جاءک (الموہنات وجمہ استدلال کی یہ ہے۔ کہ اس کے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بیعت کی نہیں کی۔ مردوں سے بیعت جہاد و اسلام کی کرتے تھے۔ اور بیعت ثوبہ بھی پھر آپ نے بیعت مردوں سے بھی ترک کر دی۔

ہدایہ مصنف کے قول (اس کے پہلے الخ) میں دو معنوں کا احتمال
 ہے۔ یا مصنف کی مراد اس کلام سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہجرت سے پہلے عورتوں سے بیعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مردوں سے بیعت
 اسلام جہاد تو بہ کرتے۔ اور یہ محض غلط ہے۔ کیوں کہ ہجرت سے پہلے بیعت
 جہاد نہ تھی۔ بلکہ حکم جہاد ہجرت سے پہلے ہوا تھا۔ اور یا مراد مصنف
 کی یہ ہو کہ قبل از نزول اس آیت کے مردوں سے بیعت اسلام جہاد
 تو بہ کرتے تھے۔ اور عورتوں سے نہیں کرتے تھے۔ اس صورت میں بھی
 غلط ہے۔ کیوں کہ مصنف کا قول ہے۔ (بیعت تو بہ بعد از ہجرت متروک
 ہوئی۔) حالانکہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور صلح حدیبیہ
 ہجرت سے چھٹے سال میں ہوئی۔ چنانچہ کتب سیر میں ہے۔ پس بیعت
 بعد از صلح حدیبیہ متروک ہوئی۔ نہ بعد از ہجرت۔ یہ صرف مصنف کا کتاب
 میں تناقض اور اس کی کند فہمی کا بیان ہے۔ ورنہ یہ تحقیقت بیعت نہ بعد
 از ہجرت متروک ہوئی۔ اور نہ بعد از نزول آیت چنانچہ مفصل بیان ہدایہ
 نمبر ۲۷ میں ہو گیا۔ مغالطہ ۱۷۔ اور کہیں ثابت نہیں۔ کہ بعد از ہجرت
 یہ آیت پڑھ کر کسی مرد سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی ہو۔
 ہدایہ۔ مصنف بڑے ذلیل و علم ہیں۔ بے دھڑک کہتے ہیں۔ (اور
 کہیں ثابت نہیں۔ کہ بعد از ہجرت یہ آیت پڑھ کر کسی مرد سے بھی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی ہو۔) اور حالانکہ ہجرت کے بعد ایسے
 واقعات صحیح روایتوں سے ثابت ہیں۔ بخاری اور مسلم، ترمذی اور نسائی

مسند عبد الرزاق اور مسند احمد سعید بن منصور اور ابن سعد عبد بن حمید
 اور ابن المنذر اور ابن مردويه یہ سب عبادہ بن صامر سے راوی ہیں قال
 کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال بالعمی علی ان لا تشی
 کو اب اللہ شئیئاً واد قسیر قواد واد تیز نو او قد آتیۃ النساء فبا یغناہ
 علی ذلک عبادہ کہتے ہیں کہ لوگ حاضر خدمت تھے تو آنحضرت
 نے فرمایا مجھ سے بیعت کر۔ اس بات پر کہ شرک اور چوری اور زنا نہ
 کریں گے۔ اور آپ نے آیت النساء اذا جاءک المؤمنات یعنی جو
 عورتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے پڑھی پس ہم نے ان امور پر آپ
 سے بیعت کی۔ اس حدیث میں دو قرینہ شاہد ہیں۔ اور اس کی تفصیل
 ہدایت نمبر ۷۲ میں ہم کر چکے ہیں۔ ادنیٰ توجہ کے ساتھ آدمی ان مسائل کو
 کتب حدیث سے نکال سکتا ہے۔ مگر مصنف کو غرور اور خود پسندی
 نے مارا۔ خود علم نہیں۔ دوسرے سے پوچھنے کو عیب جانتا ہے۔ انما شفاء
 الی سوال بے علمی کا علاج ہے۔ پوچھ لینا جو شخص بے علم ہو۔ اور
 عالموں سے دریافت نہ کرے۔ وہ آخر جہل مرکب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قصور
 صاحب کے اکثر دعویٰ ایسے ہیں کہ جب کتب صحاح کو دیکھیں تو سب
 روایتیں اس کے خلاف نکلتی ہیں۔ مغالطہ ہے۔ اور یہی معلوم ہوا
 کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت کے بیعت ثوبہ ترک
 کر دی۔ تو اس کو عورتوں پر جاری کرنے کی واسطے یہ آیت اتری۔ کہا مرد نہ
 اس آیت کے نزول کی کیا حاجت تھی آگے بیعت مرد چلتی۔

ایمان والی عورتیں گھر باہر چھوڑ کر آپ کی جناب میں حاضر ہوئیں۔ بی بی اُمّ کلثوم انہیں میں تھی۔ ان کے رشتہ داروں نے آکر درخواست کی کہ ہم اُمّ کلثوم ہمارے حوالہ کی جائے۔ پروردگار نے یہ چند آیتیں جو سورہ ممتحنہ کے آخر میں ہیں۔ تلافی فرمائیں۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتننھن۔ اسے ایمان والو! عین وقت تمہارے پاس عورتیں ایمان والی اور گھر باہر چھوڑنے والی آئیں۔ تم ان کا امتحان کرو۔ اور آنحضرت ان آیتوں سے ان کا امتحان کیا کرتے تھے۔ مقام حدیبیہ میں جو عہد و پیمان ہوا تھا۔ اس میں یہ شرطیں درج تھیں۔ اور اس شرط میں ذکر ہوا کہ جو ہمارا آدمی تمہارے پاس جاوے اس کو واپس کر دینا۔ عورتیں بھی داخل تھیں۔ پروردگار کو ان کا پھر نامنظور نہ ہوا۔ یہ آیتیں نازل فرما کر کافروں کا عہد توڑ دیا۔ دیکھو اس حدیث میں ان آیتوں کے نازل ہونے کا سبب کیا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پس جو شخص ظاہر روایت کو چھوڑ کر اپنی رائے سے توجہ نہیں تراش تراش کر اس کا مقابلہ کرے۔ اس کو پرلے سرے کا متدصب یا ناواقف سمجھنا چاہیے۔

مقالہ ۱۰ اور نیز آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنی عورتوں کو جائز تھی۔ جیسا کہ خطاب آیت اذا جاءک وال اسی پر ہے۔

حصہ اید۔ ہدایہ نمبر ۵۰ مطالعہ کر۔ وہاں انصاری عورتوں کا

حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بخوبی دکھایا گیا ہے۔ اور قریباً ہم یہ بھی ثابت کریں گے۔ جو قریشی عورتوں نے مکہ معظمہ میں عمر فاروقؓ سے بیعت کی تھی۔ تمہارے عقلی استنباط کے رو کرنے کو یہ دو روایتیں شاہد عدل ہیں: **مغالطہ ۲۹**۔ مومنات کے لفظ سے مومن مرد نکلے گا۔ **ہذا یہ**۔ مرد آدمی خدا کا خوف کرے **السلام** کہنے پر لوگوں کو کافر بتلاتے ہو۔ اور خود قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہو۔ یہ کیا ایمان داری اور اتقاء ہے۔ صحیحین اور سنن اور مسانید کی روایات سے (جس کو بعض ہدایت نمبر ۲۷ ذکر کر چکے ہیں) صاف ثابت ہے۔ کہ آنحضرت نے مردوں سے بیعت لی۔ اور آیت النساء و حبس کو قصوری نے عورتوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ پڑھی۔ اور نسائی میں ہے۔ **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اکا قبا لجنی علی ما باع عابہ النساء قلنا بلی یا رسول اللہ قبا لجننا علی ذلک**۔ آنحضرت نے اصحاب سے ارشاد کیا۔ کہ کیا تم مجھ سے بیعت نہیں کرتے۔ اس عہد پر جس پر عورتوں نے بیعت کی ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ پس ہم نے اسی عہد پر بیعت کی۔ ناظرین پہلے اس بات کو سمجھ لیں۔ کہ اس آیت میں بیشک خاص کر عورتوں کا ذکر ہے۔ اور انہیں سے خطاب ہے۔ مگر آنحضرت نے مردوں کے حق میں یہ آیت پڑھ کر باوجود کہ آنجناب لفظ مومنین اور مومنات میں فرق کر سکتے تھے۔ زن اور مرد سب کو اس حکم میں شامل کر دیا۔ اور پھر قصوری صاحب کو دیکھیں۔ جو بیان و توضیح

نبوی کو چھوڑ کر کس طرح راستے پر چلتا ہے۔

مغالطہ ہے۔ اور شرط اخراجات سے یہ نکلا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اپنی خواہش سے تو اس سے بیعت تو یہ کر لیں۔ نہ بلا کر تحریریں کر بیعت کریں۔

حدا یہ۔ اے پروردگار قہوری کو خوف و خشیت نصیب کر کم علمی و بے فہمی سے تیری آیات و احکام کا خرافات، باتوں سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور بزرگم خود ان کو اجتہادات اور استنباطات سمجھا رہے۔ میں حیران ہوں۔ لفظ بالعرفی جو امر کا صیغہ ہے۔ یعنی مجھ سے بیعت کرو۔ صحیح روایت میں موجود ہے۔ اور یہ بے انصاف کہتا ہے۔ کہ کہہ کر تحریریں نہ کرتے تھے۔ امام بخاری اور مسلم ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس نے فرمایا۔ میں نماز عید الفطر میں آنحضرت کے ساتھ تھا۔ پس رسالت مآب عورتوں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور آیتہ اخراجات المومنات بیا لیا علی ان لا یشترکت باللہ آخر تک پڑھ کر سنائی۔ اور فرمایا۔ کہ تم بھی اس عہد پر بیعت کرو گی۔ ایک عورت نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ دیکھو اس سے نہ یا وہ ترغیب کیا ہو گی۔ آنحضرت چل کر گئے اور بیعت کی دعوت کی۔ اور روایت ام عطیہ حبیبہ کو ہم بعض ہدایہ غیر ۲۵ نقل کر چکے ہیں۔ درخواست و طلب بیعت کیلئے کامل ثبوت ہے۔ مثلاً عورتوں کو ایک جگہ پر جمع کرنا۔ اور اپنی جگہ نائب بھیج کر بیعت لینا اہتمام کی علامت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر نسائی کی روایت میں تصریح ہے۔ کہ آنحضرت نے مردوں کو ارشاد کیا۔

کیا تم مجھ سے اس طرح کی بیعت نہیں کرتے۔ جس طرح عورتوں نے کی ہے۔
مخالفہ ۸۱۔ اور کاف خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔

حاصل یہ۔ قصوری صاحب اس بات سے مزہ لیتے ہیں۔ اور بار
 بار کہہ کر دل خوش کرتے ہیں۔ تو ہم بھی آپ کی اقتدا کر کے واسطے یاد دہانی
 ناظرین کے ان احادیث کا اعادہ کرتے ہیں۔ جن کو ہم بعض ہدایہ (۲۴)
 و ۲۵، تحریر کر چکے ہیں۔ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر و عثمان رضی
 رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور بیعت کرتے وقت یہ بھی کہا۔ کہ ہم
 کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ دیکھو
 صحیح بخاری اور مسند امام احمد بن حنبل میں فقہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ
 اور ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے۔ کہ بروز فتح مکہ کوہ صفا پر آنحضرت
 مردوں سے بیعت لیتے تھے۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہاڑ سے نیچے
 عورتوں سے بیعت کرتے تھے۔ اور ابو داؤد اور بیہقی اور طبرانی اور ابویلی
 وغیرہم راوی ہیں۔ ائمہ عظیمہ سے کہ جب حضرت رسالت ماریہ میں قدم فرما ہوئے۔
 انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور عمرؓ کو اپنی جگہ
 بیعت کیواسطے بھیجا۔ دیکھو اگر کاف خطاب سے خصوصیت آنحضرت کی
 مراد ہوتی۔ تو آنحضرت عمر فاروق کو ہرگز تائب نہ کرتے۔ اور صحابہ کبار خلفاء
 سے بیعت کرنے کو جائز نہ سمجھتے۔ ان روایتوں سے صاف ثابت ہے۔
 کہ بیعت توبہ اور بیعت خلافت کوئی بھی خاصہ آنحضرت نہیں۔

تاکہ ہجرت پر بیعت کرے۔ اور تیسری روایت میں ہے۔ کہ میں اپنے بھتیجے کو لے کر آیا۔ دوم یہ اختلاف کیسے ہے۔ کہ ایک جگہ اسلام اور جہاد اور غیر ملینوں کا ذکر ہے۔ اور دوسرے مقام میں لفظ علی الخیر نہیں کہا۔ اور بعض موقع پر لفظ علی الایمان (بڑھایا گیا ہے۔ پہلے اعتراض کا یہ جواب ہے۔ کہ اگر حدیث صحیح الاسناد میں ایسا اختلاف ہو۔ کہ اس میں تطبیق کر سکیں۔ تو اس اختلاف کو کالعدم سمجھا جائے گا۔ اور اس حدیث کو پایہ صحت اور اعتبار سے ساقط نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ تمام محدثوں کے نزدیک بالاتفاق مسلم ہے۔ نو دی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر احادیث مختلف میں تطبیق ممکن ہو۔ تو دونوں روایتوں پر عمل واجب ہو گا۔ اور حافظ ابن حجر نے تختۃ الفکر اور اس کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ حدیث مختلف ممکن الجمع مقبول ہوتی ہے۔ اور جو شخص صحیح بخاری کے الفاظ پر غور کرے۔ وہ ان روایات کی جمع اور تطبیق بخوبی کر سکتا ہے۔ مگر مصنف تحقیق الکلام قصور فہم کے سبب معذور ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ عن حجابنا اقلیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم با نخع فقلنا با ینا علی الصبرۃ الحدیث مجاہد کہتے ہیں۔ اپنے بھائی کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ پس میں نے عرض کیا۔ کہ آپ ہم دونوں سے بیعت کیجئے۔ ہجرت پر دراصل مجاہد رضی اللہ عنہ

اور اُن کا بھائی دونوں حرافہ خدمت ہوئے تھے۔ اور دونوں بیعت کے واسطے آئے تھے۔ مگر آپ جب قصہ بیان کرتے۔ تو کبھی فقط اپنا ذکر کرتے۔ اور کبھی صرف اپنے بھائی کا حال بیان کرتے۔ اور کبھی اپنا اور اپنے بھائی کا اکٹھے ذکر فرماتے۔ چنانچہ اس روایت میں لفظ یا یعنی سے دونوں کی بیعت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اب تین اختلاف تو مل گئے۔ صرف ایک اختلاف باقی رہا۔ یعنی (ابن اسحاق) کا نسخہ ہم کہتے ہیں۔ یہ نسخہ صحیح نہیں۔ بلکہ نسخہ صحیحہ (انا و اخ) ہے۔ اور اسی سبب سے شارحین نے اس نسخہ پر صرح لکھا ہے۔ جو کل روایات صحیحین کے مطابق یہی نسخہ ہے۔ اعتراض ثانی کا یہ جواب ہے کہ اگر نقد اور معتبر راوی اپنی روایت میں ایسا لفظ زیادہ بیان کرے۔ جو دوسری روایتوں میں نہ ہو۔ اور وہ زیادتی باوث خلاف بھی نہ ہو۔ تو وہ روایت ایمر حدیث کے نزدیک مقبول ہوگی۔ جس کو شک ہو۔ وہ مقدمہ نووی شرح صحیح مسلم اور شرح تخبہ الفکر حافظ ابن حجر کا مطالعہ کرے۔

مفاد الطہارۃ ۸۳۔ دوم یہ کہ پہلی حدیث سے صریح معلوم ہوتا ہے۔ کتب علی الجہاد والاسلام والخیر۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور علی کا متعلق استقامت لکے گا۔ معنی یہ ہوئے۔ کہ اب بیعت نہیں رہی۔ لیکن قائم رہو۔ تم اوپر اسلام اور جہاد اور خیر کے اور یہ

بھی احتمال ہے۔ کہ علی کا متعلق ابالاعاش علی الاسلام والجمہاد
 نکلے۔ جیسا کہ نووی نے نکالا ہے۔ لیکن اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال
 حدیث۔ مصنف صاحب آپ مولوی اور موجد کہلاتے ہیں آپ
 کو ایسی جرأت مناسب نہیں۔ اس کو احتمال نہیں کہتے۔ اس کا نام
 تحریف ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ کیا معنی ہیں۔ آپ
 بناوٹی متعلق کون مانے گا۔ متعلق علی صحیح بخاری میں ابالاعاش لفظ
 موجود ہے۔ جب حدیث میں شارح کی طرف سے صراحت آچکی۔ تو
 دوسری روایتوں کے حکم یقیناً بعضاً کی وہی تشریح سمجھنی
 چاہیے۔ اگر آیات و احادیث کی ایک دوسرے سے تفسیر نہ کریں۔
 اور ایسے مقدرات اور متعلقات نکلنے کی اجازت دیں۔ تو تمام کا رخانہ
 دین برباد ہو جائے گا۔ مثلاً۔۔

فرعون نے کہا۔ انا ربکم الاعلیٰ۔ اگر یہاں لفظ عبد مرصوف
 مقدر نکالیں۔ تو معنی یہ ہوں گے۔ تمہارے بڑے رب کا بندہ ہوں۔
 پروردگار ہم سب کو تحریف سے بچا دے۔

مفالطہ علیہ۔ بعد تسلیم یہ نہیں صریح معلوم ہوتا ہے۔ کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بیعت کی ہو۔ اور
 دوسری روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بیعت نہیں کی۔ الی قولہ کیوں کہ اگر بیعت کرتے۔ تو راوی کو
 چاہیے تھا۔ بیان کرتا۔

حصہ ایدہ۔ کیوں صاحب **دوسری** روایات کہاں ہیں۔
 شاید ان کو کتب خانہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ کاش
 آپ نقل کر دیتے۔ تو ہمیں بھی زیارت نصیب ہو جاتی۔ اچھا
 یہ تو فرمائیے۔ کہ ایک وقت کے تمام وقائع کا بیان کرنا راوی کے
 ذمہ کیوں واجب تھا۔ اور کس نے عرض کر دیا تھا۔ ہاں
 جب مطلب کے اظہار کے واسطے کلام شروع کی جائے۔
 اس کا پورا کرنا البتہ لازم ہوتا ہے۔ اس راوی کا مقصود
 یہ ہے۔ کہ بعد فتح مکہ ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا تھا اتنا
 ہی بیان کر دیا۔ اگر بیعت کا ذکر مقصود بالذات ہوتا۔ تو
 بے شک اس کے وقوع کی خبر بھی دیتا۔ اور واضح رہے
 کہ لفظ ابالیم سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بیعت کی تھی۔ محب شیعہ اور اس کے بھائی نے درخواست
 کی۔ اور آپ نے ان کی عرض کو پذیرا فرمایا۔ کیا یہ ممکن ہے۔
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے وعدہ فرما دیں۔ اور وفا
 نہ کریں۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی یا احسان نثار سے بیعت
 چاہیں۔ اور وہ ٹلا چاؤ سے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ لفظ ابالیم
 کا ایسے موقع پر لانا۔ راہی محب شیعہ اور اس کے بھائی نے درخواست
 کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے بیعت کریں، العقاد
 بیعت کے لئے کافی ہے۔ جو شخص ایسے ظاہر واقعہ کا انکار کرے۔

سوائے تکذیب لصوص کے اس کے پاس اور کیا دلیل ہو گی۔
بالفرض اس روایت سے ہم منکر کا عذر مان لیں۔ تو روایت صحیحین
اور روایت نسائی سن کر کیا عذر کرے گا۔

مفہم الحدیث۔ جواب اس کا کئی طرز پر ہے۔
ہدایہ۔ پہلے ہم اصل قصہ کو نقل کرتے ہیں۔ پھر
مصنف کی بے اصل توجیہات کا ذکر کریں گے۔ صحیح بخاری
میں ہے۔ جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ جنہوں نے تخلص
کیا تھا۔ اور شامل غزوہ نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کرنے لگے۔ اور اظہار
 صداقت کے لئے حلف کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کے ظاہری عذر قبول فرما کر ان سے بیعت کی۔ اور دعائے مغفرت
فرمائی۔ اور معاملہ باطنی ان کا خدا کے سپرد کیا۔ چونکہ اس
قیمہ سے نفاہت ہوتا تھا۔ کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے بعد ہجرت فتح مکہ لوگوں سے بیعت تو لی۔ اس لئے مصنف
نے دو وجہ سے اس بیعت کے بیعت التوبہ ہونے سے انکار
کیا ہے۔ وجہ اول یہ بیان کی ہے۔ کہ جن کا عذر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ ان کے ذمہ تو گناہ ثابت

نہ ہوا۔ اور جس نے خطا نہیں کی۔ اس کی توبہ کیسی۔ پس
یہ بیعت، بیعت توبہ نہ تھی۔ بلکہ ان کی تالیف قلوب کے لئے
اور ان لوگوں میں ان کی برائت ثابت کرنے کے واسطے اور ان
کے سمجھانے کے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
سے ظاہراً باطناً راضی ہیں۔ بیعت کی تھی۔ اور آیت:-
يَعْتَن رُؤُوسَ الْبِكْرِ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلُوبُ
تَعْتَنُ وَاللَّيْلُ لَوْ مَتَّ كَمَ رُؤُوسَ الْبِكْرِ
سائے عذر کریں گے۔ جب تم لوٹ کر جاؤ گے
تو کہہ یہاں نے مت بناؤ۔ ہم ہرگز تمہارا اعتبار
نہ کریں گے۔

رحمیں سے ان کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے، کہ یہ تاویل
کی ہے۔ کہ اور ہی لوگ تھے۔ منافق اور مجاہد جن کا نہ عذر
قبول ہوا۔ اور نہ عذر کرنا ان کا ثابت ہے۔ جو خود اپنا نفاق
ظاہر کیا کرتے تھے۔ پس جن کا اس آیت میں ذکر
ہے۔ وہ گنہگار تھے۔ مگر انہوں نے توبہ نہیں کی۔ اور جو
لوگ تائب ہوئے۔ وہ گنہگار نہ تھے۔

دوسری وجہ کہتے وقت ایسی طر کر رکھی ہے۔
جو سر پاؤں کی تمیز نہیں رہی۔ پہلے ایک بات کو لکھ

کمر آگے سجا کر جھٹھلا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
 کہ اس بیعت کو بیعت توبہ نہیں کہہ سکتے۔ توبہ
 کا پہلا کیا ذکر ہے۔ اگر کہیں تو اس کو بیعت اسلام
 کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ مخالفین پر آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے حکیم کفر جاری کر کے ذمہ اہل
 اسلام کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے
 منع کر دیا تھا۔ اور پھر کہتے ہیں۔

”کہ یہ لوگ عذر اور سوگند سے بری الذمہ ہو گئے
 تھے۔ ان سے بیعت توبہ اور بیعت اسلام کا لینا
 بے موقع ہے۔“

واہ اب بیعت اسلام کہنے کو بے موقع کہتے ہو۔ اس
 کا نام بیعت اسلام کس نے رکھا تھا۔ اچھا اس
 کا قصور معاف! آئندہ تصنیف کا نام نہ لینا۔ تصنیف
 بڑا مشکل کام ہے۔ الغرض یہ ایک ایسا کلام ہے۔ کہ
 اس کے معنی در بطون قائل بھی نہیں۔ وجہ اوّل کا جواب
 یہ ہے۔ کہ۔

”مخالفین چہاں قسیم کے لوگ تھے۔
 ایک وہ لوگ جو قبل روانگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے۔ اور عذریں سنا کر اجازت چاہی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عذر قبول کر کے اجازت
دی۔ آیت :-

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ
لِيُفِيَّ عَلَى الْوَعْدِ عَلَى الْوَعْدِ

مقدمہ کی

سکولوں کی کتابوں کا پیچوں کے علاوہ دینی
درسی۔ اخلاقی کتب نیز قرآن مجید اور
پیارے خریدنے کیلئے

حق سٹیشنری مارٹ لہائی بازار سیالکوٹ
کو یاد رکھیں

میں اُن کا ذکر ہے۔ دوسرے دن غابازہ منافق جنہوں نے لڑائی کے وقت ساتھ نہ دیا۔ اور جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم میدان سے لوٹ کر آئے۔ تو چھوٹے حیلے بہانے بنا کر اور قسم سو گند کھد کر اپنی صفائی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آیت یٰعٰذِرُوْنَا لَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْہِمْ اور آیت سِیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْہِمْ اور آیت یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ لَیْزُفَعُوْا عَنْہُمْ میں ان کا بیان ہے۔ تیسرے لوگ جو دل کے سچے اور مخلص تھے۔ مگر کوشح کے وقت تیاری نہ کی۔ اور آج کل کہتے ہوئے وقت کھو بیٹھے۔ جب آنحضرت تشریف لائے۔ تو مارے زحمت کے سامنے نہ آ سکے۔ اور آپ نے آپکو ستون سے جکڑ دیا۔ اس طائفہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وَاٰخِرُ مِنْ اَعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِہُمْ سَلَطُوْا عَلٰی اَعْمَالِہُمْ وَاٰخِرُ سَبِّحُوْا یٰحَمْدُ وہ لوگ جو اخلاص میں تیسرے گروہ جیسے تھے۔ فقط سستی کے باعث شامل نہ ہوئے۔ اور جناب رسالت کے روبرو حاضر ہو کر قصور کا اقرار کیا۔ آنحضرت نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع کر دیا۔ اور حکیم الہی کے مستطربہ چنانچہ آیت وَاٰخِرُ دِنِ مَّرْجُوْنِ لَاۤ اَسْأَلُ اللّٰہَ مِنْکُمْ حق میں نازل ہوئی ہے۔ ایک فرقہ بروقت رواج نہ کر کے آنحضرت کی اجازت سے پیچھے رہ جانے والا جنکو معذرت

کہا گیا ہے۔ اور تین گروہ بے اذن رہ جانے والوں میں چوتھی
 قسم جو مصدق نے نکالی ہے۔ اس کا قرآن و حدیث میں بلکہ
 کسی تفسیر میں بھی ذکر نہیں۔ مخالفین میں سے وہ لوگ جن کا
 قسم دوم میں ذکر کیا ہے منافق تھے۔ انہوں نے آنحضرت
 کے نہ بد و چھوٹے عذر بٹا کر معافی چاہی اور بیعت کی۔ اہل
 نفاق کے ظاہر حال پر حکم کیا جاتا ہے۔ باطل سے کچھ تعرض
 نہیں ہوتا۔ اس لئے ظاہر ان کا عذر پذیر ہوا۔ ہمارے بھولے
 مصدق کو یہ وہم گذرا۔ کہ اگر وہ منافق ہوتے۔ تو آنحضرت ان
 کو بیعت نہ کرتے۔ اور نہ ان کا عذر قبول کرتے۔ کیوں کہ اللہ
 عزوجل فرماتا ہے۔ قل لا تعتذروا لن نعم الکرامی نبی تو
 کہہ دے عذر مرت کر دو۔ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے۔ پس باوجود
 اس حکم کے کس طرح ان کا عذر قبول کیا۔ اور یہ نہیں سمجھا کہ
 لن نعم الکرام کا معنی تو یہ ہے۔ کہ ہم تصدیق اور یقین نہ کریں
 گے۔ تمہارے عذر کی اور ظاہر ان کا قبول کرنا اور باطن ان کا
 سپرد خدا کر دینا یہ تو اعراض اور درگزر ہے۔ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم تو تصدیق اور سچا جاننے ان کے سے منع ہوئے۔
 نہ اعراض اور درگزر سے بلکہ اعراض پر تو امر آیا تھا۔ چنانچہ آیت
 سیخلفونکم اذا انقلبتم الیوم لثبوا علیہم فاعلموا
 ضوا علیہم فانہم من جن میں یہی ارشاد ہے۔ اس واسطے

ان سے درگزر کیا۔ اور حسبِ ترحم و عادت اپنی کے ان کیلئے
 مغفرت مانگی اور ان سے بیعت تو یہ لی۔ مصنف بمقتضائے
 نفسانیت یا سفاہت کہتا ہے۔ (کہ آیت بعذرہ و بن الیکم سے مراد
 منافق مجاہد ہیں جن کا عذر کرنا بھی ثابت نہیں۔) استغفر اللہ
 اللہ تو یہ بات سے تکذیب آیات تک نوبت پہنچتی ہے۔ خدا
 محفوظ نہ رکھے۔ اللہ تو فرما دے۔ کہ یہ لوگ عذر کریں گے۔ تمہیں
 کھا دیں گے۔ اور آپ کہتے ہیں۔ اس آیت سے مراد منافق
 مجاہد ہیں جن کا عذر کرنا بھی ثابت نہیں۔ پہلی حدیث مجاہد ہیں
 بھی اس قسم کی توجہ نہیں کریں گے سنت صحیحہ کا انکار کیا تھا۔ یہاں
 آیت کو جھٹھا دیا۔ اور کج فہمی کا یہ حال ہے۔ کہ نقیضین کو جمع
 کر دیا ہے۔ منافق بھی مجاہد نہیں ہو سکتا۔ منافق ہمیشہ اپنا
 حال چھپا یا کہتے ہیں۔ اور بظاہر حال مومن دکھلائی دیتے ہیں۔
 مصنف کا ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ جن کا عذر بظاہر
 رسول اللہ نے قبول کیا۔ منافق ہوتے تو ان پر تو حکم کفر اور
 جہنم کا ہے۔ ان کے لئے استغفار اور ترحم کیا معنی میں کہتا ہوں
 کہ رسول اللہ ہمیشہ ان کا نفاق دیکھتے تھے۔ اور آیتیں بھی ان
 کے حق میں اتنی تھیں۔ مگر آنحضرت بمقتضائے کرم ان کیلئے
 دعائے مغفرت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ پروردگار نے فرمایا۔
 اگر تو ستر بار ان کے لئے مغفرت کرے۔ تو پروردگار ان

کہ نہ بخشے گا۔ پھر بھی آپ دعا کرتے رہے۔ عمر فاروق نے منافقوں کی شرارتیں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ ان کے لئے دعا نہ کریں آپ نے ارشاد کیا۔ ہم ستر دفعہ سے نہ یادہ دعا کریں گے۔ کل مفسرین و شارحین حدیث سلف سے لیکر خلف تک ان لوگوں کو راجن کا عذیر بظاہر قبول کر لیا۔ اور باطن باطن کا سپرد خدا کیا۔ منافق کہتے ہیں۔ مصنف سب سے بڑا خلاف بلا دلیل ان کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ وجہ ثانی آپ اپنا رد اور جواب دیتے۔ البتہ ایک بات یہاں قابل ذکر ہے۔ ہم سنا کرتے تھے کہ قصوری صاحب مکتب کبیرہ کو یہ کافر کہتے ہیں۔ اس حکم کفر سے جو آپ نے مخالفین کے حق میں لگا یا ہے۔ اور خاص کر صحابہ کبار رضوا اللہ علیہم اجمعین تک جس کا اثر پہنچتا ہے۔ ہمیں یقین آگیا۔ اور اس فتوے پر دلیل کیا لائے ہیں۔ کہ آنحضرت نے لوگوں کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ یہ عجب دلیری ہے۔ اگر اوصاف مد نظر ہو تو۔ تو اس بات کی طرف بھی خیال کرنا کہ حضرت نے ان کو طلاق کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہلال بن امیہ کی بیوی کو پاس رہنے کی اور خدمت کر نیکی اجازت دی۔ معاذ اللہ مومنہ اولہ کافر میں کیا علاقہ تھا۔ کبریت کلامۃ تخریج من افواہم بیعت کی بحث کرتے کرتے منافقوں کو مومن اور مومنوں کو کافر بنا دیا۔ مولوی صاحب آپ اس بیعت کو بیعت تالیف کہہ۔

یا کچھ اور بہر تقدیر یہ حدیث آپ پر روایت ہے۔ کیوں کہ آپ
نے صفحہ ۷۱ اور صفحہ ۷۲ میں تصریح کی ہے کہ مطلق بیعت
نافع مکہ آنحضرت نے چھوڑ دی نہیں۔ اور بیعت توبہ تازمان
ہجرت یعنی بیعت توبہ بعد ہجرت ترک ہوئی۔ اور بیعت متعلقہ
بعد فتح مکہ اور یہ بیعت جسکا اس حدیث میں ذکر ہے ایک
سال بعد فتح مکہ سے وقوع میں آئی۔

مقالہ ۱۱۰ - اور نواب صدیق حسن خان صاحب تفسیر
فتح البیان میں لکھتے ہیں۔ والقی أحدثنا لصرفية و
المشايع وجملة المتصرفية فلا يثبت بدليل شرعي ولا
اعتداد بما قبل هي متصارفة لما ثبت من الكتاب
والسنة كما ترى۔

ہدایہ - افسوس مصنف نے نقل عبارت میں غیبت
کی۔ نہ یادہ ترافسوس اس بات کا ہے۔ کہ بیچارہ چور کہلایا۔ بائیم
ہوا۔ اور مطلب کچھ نہ نکلا۔ جتنی عبارت چھانٹ کر نقل کی ہے
اُس کے آخر میں ایک ایسا فقرہ ہے۔ جس میں سب کیا کر آیا
برباد ہوئے۔ نواب صاحب نے اول آنحضرت کی بیعت کا
طریقہ نقل کیا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ وهذا هو البيعة المشايخ
بالسنة في دين الاسلام والقي أحدثنا لصرفية
والمشايع وجملة المتصرفية فلا يثبت بدليل شرعي ولا

اعتماد رکھنا چاہیے۔ متصادفہ نہ ثابت من کتاب
 و السنن۔ ترجمہ: اس کی بیعت دین اسلام میں سنت
 نبوی سے ثابت ہے۔ اور جو کچھ کہ صوفیوں اور مشائخ اور زائد
 غشک نے ایجاد کیا ہے۔ پس وہ دلیل شرعی سے ثابت
 نہیں۔ اور نہ کچھ اس کا اعتبار ہے۔ بلکہ ان کی بیعتیں مقابل
 ہیں۔ اس بیعت کی جو کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔
 اس عبارت سے بھی جو کہ مصنف نے اپنا مفید مطلب سمجھ کر
 سنہ میں پیش کی ہے۔ ہمارا اعتماد ثابت ہوتا ہے۔ اس میں
 بیعت کی وہ کتابیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک بیعت مسنونہ اور
 دوسری بدعتی اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ اور سورہ فتح کی تفسیر
 میں نواب صاحب فرماتے ہیں۔ و هذه الآية فيه ما دلالة
 علی وما حالها فهو الخط والكتاب۔
 اس میں مشروط بیعت کا ثبوت ہے۔ اور آنحضرت نے بہت
 بار بیعتیں کی ہیں۔ جن کا بخاری مسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایتوں
 سے ثبوت ملتا ہے۔ شبہ یہ قاعدہ ٹھیک ہے۔ کہ جب
 آنحضرت سے کسی فعل کا صدور بطریق عادت اور اہتمام ثابت
 ہو جائے۔ تو کم از کم وہ فعل سنت فی الدین ضروری سمجھا جائے گا۔
 نیز جو صوفیوں میں رواج ہے۔ کہ صوفیوں کے ہاتھ پر بیعت
 کرتے ہیں۔ ان کے بعض اقسام مقبول ہیں۔ اور بعض مردود

اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تطبیق سے یہ فسوق معلوم ہو سکتا ہے۔ پس جو مخالفین سنت کے ہو وہ بیعت سنت اور صحیح ہے۔ اور جو برخلاف ہے۔ وہ خطا اور ظلمت ہے۔ مصنف نے ایسی کتاب کا حوالہ دیا اور ایسی عبارت نقل کی جس سے ہمیں اس مشہور مثل کا مصداق مل گیا۔ چہ دلاور سنت و زورے کہ بکف چراغ داند

مغالطہ ۸۷۔ اس سب بیان سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ علماء و محققین جو اس بلا سے محفوظ رہے ہیں تشیع اس طریق کی کرتے رہے ہیں۔ حداد یہ ہے۔ بیعت کی بحث ختم ہونے پر آئی۔ اور آپ نے کسی عالم کا نام نہ لیا۔ اس بات کا بھی سننے میں آتا ہے کہ اکثر آئمہ میرے ساتھ ہیں۔ اجماع ائمہ سے بیعت مندرج ہے ہم بھی اس کی سند اور حوالہ کا شوق نہ رکھتے ہیں۔ مگر ہو تو بتا دیجئے۔

مغالطہ ۸۸۔ آیا تم نے مثل نہیں سنی۔ ملاں اور فقیر کی ہمیشہ سے جنگ چلی آئی ہے۔

حداد یہ ہے۔ کیا جناب نے یہ نہیں سنا۔ وکذ لاک حبیبنا لکل نبی حد و امن الحبر میں وکفی برہائے ہاد یاد نصیرا۔ مغالطہ ۸۹۔ پانچواں استدلال بہرہ بڑا استدلال بہرہ بیوت پر یہ ہے کہ بیعت مردہ یعنی پیری

سریدی سے اسنے فتور اسلام میں پڑے ہیں۔ جن کا تعدد و جمع
 امکان میں نہیں۔ الی قولہ جس قدر اقسام شرک کی ہیں اسی
 سے پیدا ہوئی۔ **ہدایہ**۔ یک نہ شد و شد۔ ہیئت کو
 اس دلیل سے کہ وسیلہ شرک کا ہے۔ خاصہ نبوی اور حرام
 بتلانا معاذ اللہ سب موجب اور تکفیف رسول اللہ کا ہے۔
 کیا خاصہ رسول اللہ کا ایسی چیز بھی ہے۔ جو ذریعہ شرک کا
 ہو۔ مثلاً صاحب جیسا شرک اور بدعت سے بچنا ضروری
 ہے۔ ویسا ہی کتاب و سنت کی پیروی بھی فرض ہے ہم تسلیم
 کرتے ہیں کہ جاہلوں کی پیری مریدی میں بہت سی قباحتیں
 ہیں مگر برائی سے بچنے کے لئے سنت سے انکار کرنا اور اس کو حرام
 اور بدعت کہنا ہرگز جائز نہیں۔ بیعت سید باب شرک کا ذریعہ ہے۔
 اور اس واسطے مشروع ہوئی ہے۔ **الغالبین** فرماتا ہے۔ **اذ جاءك
 المومنان ببايعناك على ان لا تشركن بالله شيئاً** جس
 وقت آپ تیرے پاس عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ وہ
 کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھاریں گی۔ پس بیعت کر تو ان سے
 اور رسول اللہ فرماتے تھے۔ **بايعوني على ان لا تشركوا
 بالله شيئاً** بلکہ رضوان الہی اور اخلاص عمل اور الطہان خاطر
 اور فتح اور اجر عظیم آخرت اس سے حاصل ہوتا ہے۔ **لقد رضي
 الله عن المومنين اذ بايعوك تحت الشجرة فعلمنا في قلوبهم**

فَانْزِلْ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَانْشَأْ لَهُمْ فِتْحًا قَرِيبًا رَضًا مِنْهُمْ هُوَ اَبْرَدُ كَارِ
 ان لوگوں سے جنہوں نے تجھ سے بیعت کی۔ درخت کے نیچے پھر
 جانا جو ان کے بھی میں تھا۔ پس اُناری تسکین اور پر ان کے اور
 النعام دی ان کو فتح نزدیک اور فرمایا۔ ان الذین یبالیعون ثابث
 انما یبالیعون اللہ الی قولہ فسیؤتیہ اجر اعطیمما جو لوگ بیعت
 کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ پھر آیت یہ
 ہے۔ اللہ دے گا۔ اس کو ثواب بڑا خدا پاک نے تو بیعت کی یہ
 غریبیاں ذکر فرمائیں۔ اور مصنف اس کو اعظم و سبیل شکر
 سے شمار کرتے ہیں۔ راقم و سس مقام پر بغیر ای کل الخطاب
 لایستحق الجواب عامل آیت کریمہ فاصبح انجیل کا ہوتا
 ہے۔ اور دعائے ہدایت اپنے رب سے اپنے واسطے اور
 مصنف کے لئے مانگتا ہے۔

مغالطہ ۹۔ اور ہاتھ سے ہاتھ کسی عورت
 سے نہیں ملائے اور یہ ہاتھ سے ہاتھ ملانا زیادہ بات ہے۔
 بیعت کے معنوں میں داخل نہیں۔

ہدایہ۔ بیشک عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا منع
 ہے۔ تمام اہل حق اس کو بڑا جانتے ہیں۔ مگر یہ جو آپ لکھتے
 ہیں۔ ہاتھ ملانا زیادہ بات ہے۔ یہ بات فضول ہے۔ عقار بیعت
 کے دو جز ہیں۔ ایک عہد لسانی و دوسرا عہد فعلی۔ جب تک دونوں

اجزا جمع نہ ہوں گے۔ بیعت کا انعقاد نہ ہوگا۔ آنحضرت بیعت کے وقت مردوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے۔ اگر بیعت کرنے والا حاضر نہ ہوتا۔ تو جناب رسالت اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مار کر فرماتے یہ فلاں شخص بیعت کرنے والے کا ہاتھ ہے۔ معاذ اللہ فضول امر کے لئے آنحضرت اتنا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے ہی جب عورتوں سے بیعت لیتے تو واسطے اتمام عقد بیعت کے ان کی طرف ہاتھ پھیلاتے اور بیعت کرنے والیاں آنحضرت کی طرف ہاتھ بڑھاتیں چونکہ نامحرم کے بدن کو مس نہ کر سکتے تھے۔ اشارہ پر اکتفا کرتے اس کی مثال یہ ہے جیسے حاجی لوگ انبوہ ہی کے وقت حجر اسود تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو دور سے اشارہ کرتے ہیں۔ اب وہ روایتیں سنو۔ جن میں ہاتھ پھیلانے اور اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔ بخاری اور مسلم میں اہم عطیہ سے روایت ہے۔ **قَالَتْ بَايعَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا أَنْ لَا نَشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنْ الزَّيْنِجَةِ فَقَبَضْتُ مِنْ أَمْرَاتِهِ يَدَهَا الْحَدِيث** ہم نے آنحضرت سے بیعت کی۔ پس آپ نے ہمیں یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (لا یشرک باللہ شیئاً) اور میں نے سے منع کیا پس ایک عورت نے اپنا ہاتھ بند کر لیا اور عسکریہ بن کبیر کہ فدا فی عورت نے میرے مردہ پر بن

کی تھی۔ میں اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں اور ابو داؤد میں ہے۔
 ان تھند اعتبہ قالت یا نبی اللہ یا یعنے فقال لا
 ابالیعت حتی تغیر کفیت فکانہما کفایبع ہندہ بنت
 عتبہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھ سے بیعت کریں پس فرمایا ہم
 تجھ سے بیعت نہیں کرتے جب تک تو ان کا رنگ نہ ہمارے
 تیرے ہاتھ لیسے ہیں۔ جیسے درندے کے پنجے اور ابو داؤد
 اور نسائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔
 اومت امرأۃ من وراء السرید ما کتاب الی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبض النبی صلی اللہ علیہ
 سلمید فقال ما ادری اید رجل امرید امرأۃ الحدیث
 ایک عورت نے پر وہ میں سے (بیعت کے لئے) آنحضرت کی طرف
 اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور مکتوب اس کے ہاتھ میں تھا۔ آپ
 نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے
 یا عورت کا اور عبد بن حمید ابو داؤد ابو یعلیٰ طبرانی ابن مرددہ سیوطی
 ام عطیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ عمر فاروق نے ہم سے بیعت
 لی۔ اور عمر نے ہماری طرف ہاتھ پھیلا یا۔ اور ہم نے اس کی طرف
 حافظ ابن جریر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث ہاتھ
 پھیلا نے رسول اللہ اور عورتوں کی صحالت بیعت میں صحیح ابن
 خزیمہ اور ابن حبان سے نقل کی ہے۔ ابن زبایہ کی شرح میں

علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ فقط زور کا اشارہ تھا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ عورتیں آپ کی آستین پکڑتی تھیں اور سعید بن منصور اور ابن سعد اور ابو داؤد و مراسیل میں اور عبد الرزاق بھی مرسل شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ پر کپڑا لپیٹ کر عورتوں سے بیعت کیا کرتے تھے۔ ایسے ضروری کام کو زیادہ کہنا نہ یادتی عقل کا مقتضاء ہے۔

مغالطہ ۹۱۔ مگر معالم التنزیل میں نقل بلا سند ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے اوپر تھے اور عمر صفا کے نیچے حضرت نے امر کیا کہ عورتوں سے بیعت کرتے والے جب میرے شبہ کا کہ یہ امر معمولی جواب نہیں پاتے تو ناچار ناواقفوں کو اس قصہ مجہول بے اسناد سے شبہ ڈالتے ہیں۔ علاوہ بریں اوّل اس حدیث کا معارضہ ہے۔ اس کے آخر کا۔

ہذا ہے۔ مصنف اگر بیعت کو غیر معمولی یہ اپنا بتلاتا ہے تو سچ ہے ہم بھی جانتے ہیں کہ اس کو توفیق اس سعادت کی نصیب نہیں ہوئی اور اگر اس کی یہ نیت ہے۔ کہ امت محمدیہ میں کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔ تو ہدایت نمبر ۲، کا ملاحظہ کرے۔ صحابہ و دیگر مقبولان امت کا تعامل ہم نے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے۔ اور معالم التنزیل کی روایت اگر قابل اعتماد نہیں۔ تو چشم انصاف سے روایت ابن جریر و ابن کثیر و ابن ابی حاتم

اور ہدایت ابن سعد اور عبد بن حمید اور ابوداؤد اور ابویعلیٰ اور طبرانی اور ابن مردیہ اور بیہقی کی طرف نظر کرے۔

مغلطہ ۹۲۔ اور ایک آدمی کو گدی پر بٹھانا اور اسی کو بیعت کے واسطے مقرر کرنا اور اس کا حق موردی سمجھنا یہ سنت ہنوز مہنتوں کی ہے۔ کیا معنی کہ ایک آدمی کو بلا تزیین و مرجع کر لینا اور وہ خود تو معصوم نہیں گنہگار ہے الی قولہ شرعی بات نہیں محض سنت ہنوز ہے جس کے پاس کوفی دلیل ہو پیش کرے۔

حدیث اول۔ جس کو آپ ہنوز کی رسم کہتے ہو۔ وہ سنت انبیاء ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کو جانے لگے۔ تو یارون علیہ السلام سے فرمایا۔ اَخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَالصَّلَاحُ وَارَهِ تَتَّبِعُ سَبِيلَ الْمَفْسِدِينَ تو میرا نائب رہو میری قوم میں اور لوگوں میں اصلاح رکھنا اور مفسدین کی پیروی نہ کرنا حضرت خاتم المرسلین نے جب غزوہ تبوک کی تیاری کی تو علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد کیا انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ تو مدینہ میں رہ تو ہمارے جانشین ہے۔ جیسا یارون اپنے بھائی موسیٰ کا (بحالت سفر) جانشین تھا۔ انبیاء و عظام دعا کرتے کہ اے پروردگار ایسی اولاد دے جو ہمارے نائب اور لوگوں کے پیشوا ہوں۔ فہم یبک من لدنک ولیا یرثنی و یرث من الی یعقوب ذکرہ یا علیہ السلام نے دعا کی تو مجھے کام شہیدانہ والا دے۔ جو وارث ہو۔ میرا اور خاندان

یعقوب کا اور اللہ جل شانہ خبر دیتا ہے۔ وراثت سلیمان داؤد
 سلیمان علیہ السلام اپنے باپ داؤد کے وراثت ہوئے۔ واضح رہے
 کہ مراد اس وراثت سے نبوت اور امامت ہے۔ کہیں یہ وافض کی طرح
 مال و متاع سے تاویل نہ کرنا اور صحابہ کرام نے بعد انتقال پیغمبر خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو بکر صدیق کو گدئی پر بٹھلایا اور ابو بکر
 اللہ عنہ اپنی زندگی میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے
 ایسے ہی عثمان رضی اللہ عنہ با اتفاق صحابہ جانشین ہو گئے۔ ایسے ہی مثلاً
 کرام کی اولاد یا مریدوں میں سے جو تقویٰ اور دیانت سے موصوف
 ہوتا ہے۔ وہ بزرگوں کا جانشین اور نائب قرار پاتا ہے۔ اور لوگ
 اس کی خدا داد خوبیوں کے سبب اس کو سمجھوں میں سے ممتاز
 جانکر پیشوا پکڑتے ہیں۔ کہو یہ انبیاء اور صدیقین سے مشابہت ہے۔
 یا مہنتوں کی متابعت اور بندگان خدا میں سے کوئی ایک ایسے بھی
 گذرے ہیں۔ نہ ان کو کسی نے گدی پر بٹھلایا اور نہ انہوں نے
 لوگوں کو اپنے طرف بلایا غیب الغیب سے خلعت امامت ان کو عطا
 ہوا۔ خلق اللہ کے دلوں میں ان کی ارادت اور محبت بھری گئی۔ ہزاروں
 آدمی دور دور ملکوں سے آکر ان کی صحبت اختیار کرتے رہے۔ اور
 علی رغم الحاسدین ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے رہے۔ چنانچہ
 ہمارے مرشد اور امام عبد اللہ صاحب غزوی رحمہ اللہ بقراۃ واسکنہ
 بحیوۃ جناتہ ابھی گذرے ہیں۔ جب تک تھے۔ مجمع الخلائق تھے۔ کیا

یہاں تہذیب بلا مرجع کا اعتراض خدا پر کر و گئے اور یہ جو آپ لکھتے ہیں (وہ خود معصوم نہیں گنہگار ہے) کیا آپ کے نزدیک عصمت لگن ہوں سے پاک ہونا، امامت کی شرط ہے کوئی اہل سنت ہیں سے اس شرط کا قایل نہیں۔ البتہ رافضیوں کا مذہب ہے۔ معاصم ہونا کہ مجادلہ کی خاطر آپ طریقہ روافض بھی اختیار کر لیا کرتے ہیں قلا صاحب ایسے خط میں پڑے گئے تو امامت انبیاء کا انکار لازم آئے گا۔ بھول چوک سے پیغمبر بھی معصوم نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اللہم اغفر لی جدی وھذلی وذنابی وعلی وکل ذلک عندی متفق علیہ اے خدا تو مجھے معاف کر جو میں نے کوشش سے کام کیا یا ہنسی سے اور جو بھول چوک سے کیا یا ارادہ سے اور یہ سب باتیں مجھ میں ہیں۔ یہ اعتراض خاص مشائخ پر نہیں بلکہ خاتم النبیین پر بھی ہے۔ مصنف کے یہ دعویٰ سن کر جب اس کی حالت کو دیکھتے ہیں۔ تو مقام عبرت نظر آتا ہے۔ دعویٰ تو یہ کہ مخالفت حرام ہے گدڑی پر بٹھانا مہنتوں کا سنت ہے۔ اور خود اپنے لڑکے کو واسطے قیام گدڑی کے نماز جمعہ اور عید میں اُن لوگوں کے ہوتے ہوئے اہلیم کرتا ہے۔ جو اس سے علم اور عمر میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یہ صریح خلاف سنت ہے اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ لہ تقولون ما لا تفعلون کابر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

مقالہ ۹۳ علاوہ یہ کہ جس کو ترجیح دی ہے۔ وہ بھی گناہ کرتا ہے۔ وہ کیوں نہیں اپنے گناہوں سے کسی کے ہاتھ پر توبہ کرتا۔

ہذا ایہ مشائخ میں سے ایسا کوئی نہیں جس نے دوسرے کے ہاتھ پر توبہ نہ کی ہو اپنے شیخ کے ہاتھ پر سب توبہ کیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہی اعتراض کا شوق ہے تو یہ کہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیعت کرائی اور خود کسی کے ہاتھ پر توبہ کیوں نہ کی دیکھو ترک اور انکار سنت کا یہ نتیجہ ہے۔ جو آپ کے موہنے سے ایسے کلمات نکلتے ہیں۔ جن سے انبیاء علیہم السلام کی جناب میں بے ادبی لازم آتی ہے۔
لئن يهدنا ربنا لنكونن من القوم الضالين۔

مقالہ ۹۴ صرف ہاتھ میں ہاتھ ملانا مستون ہے۔ باقی لوازمات کل بدعت ہیں۔ **ہذا ایہ صفحہ ۲۹** میں آپ لکھتے ہیں (ہاتھ سے ہاتھ ملانا امر رائد ہے بیعت کے معنوں میں داخل نہیں) یہاں اقرار کرتے ہیں کہ ہاتھ سے ہاتھ ملانا مستون ہے۔ اور اکثر مقامات میں کہیں بیعت کو خاصہ اور کہیں منسوخ بتلایا ہے اب کہو ہم بیعت کو کیا سمجھیں سنت یا بدعت خاصہ یا منسوخ الحق یعلوا ولا یعلیٰ خدا نے منکروں سے بھی اقرار کر دیا والحمد للہ علیٰ ذلک مگر افسوس اپنے حق کے ساتھ ایسا باطل ملایا ہے جس کا بطلان بدیہی ہے آپ قرأتے ہیں۔ (صرف ہاتھ میں ہاتھ ملانا مستون ہے باقی لوازمات کل بدعت ہیں) لازم کیا ہیں شرک۔ زنا۔ سرقہ۔ قتل۔ بھتان عصیان۔ تہمت سے تائب ہونا۔

گویا بہن سب باتوں سے توبہ کرنا ملا صاحب کے نزدیک بدعت
ہے۔ حال آنکہ ہاتھ میں ہاتھ ملانا اور گناہوں سے توبہ کرنا یہ دونوں
امر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ واللہ اعلم مصنف
اپنے آپ کو اس آیت (فمن بیعت بعضکم بعضاً) کا
مصدق کیوں بناتا ہے۔ اور خدا جانے اختلال عقل ابتدا
عمر سے ہی یا اب بڑے بڑے میں شروع ہوا ہے۔ ہمیں خیال
آتا ہے۔ شاید کوئی کلام مصنف کی یوں تاویل کرے کہ (کل
لوازمات بدعت ہیں) اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ ملحودون
اور جاہلوں کی بیعت کے لوازم مراد ہیں۔ ہم ان کو پہلے ہی سمجھا
دیتے ہیں۔ کہ یہاں بیعت توبہ کی بحث ہے۔ اور اس کے
لوازم بھی ہیں جو ہم نے ذکر کئے۔ اور خاص کر لفظ کل تو جسد
لوازم کو شامل ہے۔ بیعت مسنونہ کے ہوں یا بدعت کے

مخالطہ ۹۵۔ اور بعض طریق بیعت مردودہ قریب
کفر کے ہیں۔ حد اب۔ صاف صاف کہہ کوں کسی
بیعت قریب کفر کے ہے۔ ملحودون کی بیعت یا سنت طریق
کی طریقہ سنت کو کفر کہنا نشان اسلام کے خلاف ہے اور
ملحدون کے طریق سے یہاں کچھ بحث نہیں۔ اس کے ذکر
سے فائدہ کیا۔ شاید کوئی شخص ہر دو قسم بیعت پر یہی فتویٰ
جہاد کرے۔ کیوں کہ آپ کل لوازم کو بدعت کہہ چکے ہیں

اور اس کا بوجھ آپ کے ذمہ ہو۔

در صفحہ ۹۶ بیعت مروجہ توبہ نہیں تھی۔ توبہ استغفار

جو کراتے ہیں۔ یہ صرف کہ قسم۔ بد قسم بھی ہو اور مقصود یہ

یا اذات طریق میں داخل کرنا ہے۔ اور اپنا طرف اور مرید

بشنا۔ ھمد ارب۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ یا ایہ الذین

امنوا اجتنبوا مشیرا من الظن ان بعض الظن اشم سے

اپنی ایمان والوں کو کثرت ظن سے بیشک کہیں نہ کہیں گمان

کرنے سے گناہ لازم آتا ہے۔ اور آنحضرت فرماتے ہیں۔ فالت

الظن کذب الحدیث اکل سے بات کہنا پرستہ توبہ جیسے کا جو

ہے۔ خدا کے بندے ایسے بھی ہیں۔ جو طریق مستند کے موافق

بیعت کرتے ہیں ان کی غرض اشاعت اور رواج سنت کے

سوا اور کچھ نہیں۔ تم ناحق نیکیوں پر بدگمانی کر کے عوام کو راہ حق

سے روکتے ہو۔ اور ان کو عمل و سنت سے محروم رکھتے ہو۔ لہ

تصدیق عن سبیل اللہ پر غور کرو اور اللہ کے وعید سے

گور حضرت فرماتے ہیں۔ کہ جب بندہ اپنے پروردگار اس پر ہر بار

ہوتا ہے۔ اور ملا اعلیٰ اور اہل السموات والارضین میں عبادی کی

حیاتی ہے کہ فلاں شخص سے رب العالمین محبت رکھتا ہے۔

تم بھی اس سے محبت رکھو۔ لوگوں کے نہ لوں میں خود بخود عقیدت

اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ گھر بار اہل عیال کو چھوڑ کر ان کی صحبت

اختیار کرتے ہیں اور عبادِ خدا کی پیشینگی سے رتیرا ناہت اور
خشیت اور استقامت کو پہنچتے ہیں۔ اسی حال میں کا نام احسان
ہے۔ جو اعلیٰ مرتبہ ایمان کا ہے۔ اور ایسے یا بزرگست کی گستاخ
ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہوتے رہتے ہیں چاہے کدوان کی جستجو
رہے اور ان کی خدمت اور ان کی برکت کو غنیمت سمجھیں
مستحق جو بیعت سے منع کرتے ہیں۔ اور اپنی بیعت کو طاعت
وہی بتلاتا ہے۔ کیا اس کے نزدیک ازل احسان اور احسان
تقریب کا خاتمہ ہو چکا۔ یا سو اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک
دوسرا اس پر تبہ کو نہیں پہنچتا۔

مخالطہ ۹۷۔ توبہ کرنی کسی کے ہاتھ پر واجب نہیں
ہے جبکہ کہ کلام اللہ شریف میں جو حال حکم توبہ کا ہے۔
جیسے کہ تصریح کرتے ہیں۔ اختیار کہ ہم فلاں طریقہ را اور
ہیں یہ کہیں ذکر نہیں کہ کسی کے ہاتھ پر توبہ کریں۔

ہذا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا قرآن
اور حدیث میں حکم ہے۔ **وَلَوْ أَنَّهُمْ رَظَمُوا أَنفُسَهُمْ**
بِحَادِّكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرُوا لِعَمَلِهِمُ السَّوْءِ
اللَّهُ تَوَّابٌ رَحِيمٌ پروردگار توبہ کرنے والا ہے۔ اگر یہ لوگ جو
خطا کر رہے تھے۔ تیرے پاس توبہ کرتے تو ان سے معافی
مانگتے۔ اور یہ بخدا بھی ان کے لئے دعا منفرت کرتا پاتے تو

اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان اس آیت میں گنہگاروں کو
 ارشاد ہے کہ میں کے پاس حاضر ہو توبہ کرو تمہارا حق توبہ منظور
 ہوگی۔ اور جو لوگ آنحضرت کے ہاتھ پر مائت نہ ہوئے تھے
 پروردگار نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّعَا
 فُوا بِمَا تَعْبُدُونَ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ سُبْحَانَ الَّذِي نُسَبِّحُكَ
 كَمَا سَبَّحْتَ رَبَّنَا سُبْحَانَكَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ سُبْحَانَكَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ
 وہ تکبر سے اعراض کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ مغفرت سے محروم
 رہے۔ اور خداوند کہیم نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ جو عورت
 تمہارے پاس بیعت کے لئے آوے۔ اس سے بیعت کر
 اور بخشش مانگ ان کے لئے فَبِأَيِّ عَمَلٍ وَاسْتَعْفِفْنَ لِهِنَّ
 اللہ۔ اور بہت احادیث ہیں جن سے آنحضرت کا رجحان دلانا
 اور امر کرنا ثابت ہے۔ غرض آیات اور احادیث سے یہ بات
 بخوبی ثابت ہے۔ کہ لوگوں کو آنحضرت کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا
 حکم تھا۔ حدیث صحیح دالعیونی علیہ السلام لَاحِشَہُ کَوَیَا اللہ شَیْخاً
 الحدیث اس بات کی دلیل ہے۔ اور بحکم آنحضرت عورتوں
 نے عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور آپ کے خلفاء کے
 ہاتھ پر بیعت کرتے رہے۔ پس قصوری کا یہ کہنا کہ میں گنہگاروں
 کسی کے ہاتھ پر توبہ کرو بعض نادانی کی بات ہے۔ اور قول
 مصنف کا (جیسا کہ تصریح کرتے ہیں) اختیار کریم فلاح طریق الدار

سابق لاحق سے کچھ قطع نہیں رکھتا۔ مثال اور مثال میں کسی نوع کی مناسبت نہیں۔ بالکل لغو و بے ربط کلام ہے۔
مغالطہ ۹۵۔ اگر بیعت کے بعد پھر مرتکب گناہ ہو۔
 کیا پیر کا ہو۔ تو عند اللہ مانع نہ ہوگا۔ کیوں کہ آیات اور احادیث میں ایفاء عہد کی نسبت بہت تاکید ہے۔

ہدایہ۔ جو شخص بغیر بیعت کے توبہ کرے۔ اور پھر مرتکب گناہ کا ہو۔ وہ بھی مانع نہ ہوگا توبہ کرنے والا آئندہ کے واسطے خدا سے عہد کرتا ہے۔ کہ پھر گناہ نہ کرے گا۔ جب کرے گا تو ضرور باز پرس ہوگی اللہ جل شانہ فرماتا ہے: **وَأُولَئِكَ أُولُو الْعَهْدِ** اور بعد ازاں دلیل سے بیعت کی رو کر لیتے ہیں: **وَأَقْبَابُ كُوَيْلِ** کہ لوگوں کو توبہ سے بھی منع کریں۔ **مغالطہ ۹۶۔** جس امر کی عجاہت رسول اللہ سے بیعت کی۔ پھر اسکو نہیں توڑا۔ **ہدایہ۔** یہ تمہارا دعویٰ غلط ہے۔

حدیث کا علم نہیں۔ جو چاہتے ہو سو کہتے ہو۔ اکثر اصحاب آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کہتے تھے اور پھر ان سے خلاف عہد و قریع میں آتا۔ چنانچہ صحیحین میں ثابت ہے کہ بیعت البر خیر الان کے دن اصحاب نے اس بات پر بیعت کی تھی۔ جو ہم معہ کرے نہ بھاگیں گے۔ اور بروز غزوہ تبوک انہیں میں سے اکثر بھاگ گئے اور ان میں سے انہیں میں سے رویت ہے۔ **بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لا یتخرج فمادفت امیراۃ منا الی امر مسلم** **وامر الامراء و بیعت الی سیرۃ امراء معاذ و بیعت الی سیرۃ**

وامرۃ معاذ ہم نے رسول خدا سے بیعت کی۔ کہ ہم مردہ پر بیعت نہ کریں گی۔ پس ہم میں سے کسی نے وعدہ پورا نہ کیا۔ سوائے ام سلمہ اور ام علقمہ اور ابو سبیرہ کی بیٹی کے جو معاذ کی بیوی تھے۔ یا شاید یوں کہا ایک ابو سبیرہ کی بیٹی دوسرے معاذ کی بیوی تھیں۔ یا وہی کو شک ہے۔ کہ ابو سبیرہ کی بیٹی اور معاذ کی بیوی ایک تھیں یا وہ عورتیں تھیں۔ جو شخص بے علم ہو کر اپنے آپ کو مجتہد سمجھے اس کا خدا سزا فظ۔

مخالطہ - تنقیح سے دریاقت ہو کر گناہ صغائر و کبار سے ترک کرنے کی بیعت کسی صحابی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کی۔ بعض خاص کاموں میں بیعت کی ہے۔ **ھذل** ایسا۔ تمہاری ایسی تلاش کو کیا کہوں۔ حدیث تو درکنار قرآن سے بھی واقفیت نہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ **واللہ یصلح لی صحتی** میں صرف فبا لھن جب عورتیں تجھ سے عہد کریں۔ تو ہم کسی حکم شرعی میں مخالفت نہ کریں گی۔ پس تو ان سے بیعت کر۔ لفظ معروف عام ہے۔ کوئی امر شرعی خالص نہیں رہتا۔ کیوں کہ لفظ معروف نکرہ ہے نفی کے اخیر میں واقع ہوا۔ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ کمالا یحقی فتاویٰ۔

مخالطہ - اور یہ لوگ کل کا عہد لیتے ہیں۔ اور تکلیف بالایطاق محال ہے۔ **ھذا** - جناب رسول خدا نے حق

فرمایا۔ کہ اس امت کے لوگ یہود کی روش اختیار کریں گے۔
 جب یہودیوں نے احکام الہی جو تورات میں نازل ہوئے تھے
 شے۔ تو گھبرا کر انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے۔ سمعنا و عصینا
 سمجھنے سنا اور اطاعت نہیں کرتے۔ ایسے ہی منکرین بیعت
 لوگوں کو تعظیم کرتے ہیں۔ جو کہیں ہر امر کی اطاعت کا عہدہ
 نہ کرنا۔ مبادہ کہیں فرمانبرداری میں قصور ہو جائے۔ اور انہیں
 پکڑے جاؤ۔ یہ سنت یہود اب تک بجا رہی نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک
 یہودیوں نے آج اس کو بھی بجا رہی کر دیا۔ مصدقہ کی تفسیر
 سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ استغفر اللہ من کل ذنب
 والوہ الیہ یعنی معافی چاہتا ہوں میں اللہ سے تمام گناہوں
 کی اور توبہ کرتا ہوں میں عسوف اس کے کہنا درست نہیں۔
 کیوں کہ تکلیف بالایطاق ہے۔ آنحضرت کا بیعت لینا اور پکار
 والوہ یغصینا فی معرفت بھی معاف اللہ ظلم اور افراد
 ہے۔ عیالی کا راستہ یہ ہے۔ کہ سب امر و نہی سن کر کہہ دیں
 کہے۔ تو میں ہمیشہ و نکض ببعض ہم کچھ تقوڑا مانتے ہیں۔
 اور کچھ نہیں مانتے۔ اگرچہ ملا صاحب نے عہد کلی کی ممانعت
 خاص کر بیعت میں کی ہے۔ مگر چونکہ بیعت اور توبہ میں سولہ
 ہاتھ پکڑنے کے کوئی فرق نہیں۔ اس واسطے توبہ میں
 میں بھی قیاحت پائی جائے گی۔

مغالطہ ۱۰۔ ایسی بیعت مصداق آیت کریمہ ہے
 والہ تتخذ آیات اللہ عزوجل الی قولہ تو بہ کنندہ اور
 جس کے ہاتھ پر ایسی توبہ کی جیانیے مستہزئے آیات اللہ
 ہیں۔ **ہمدانیہ**۔ بیعت کرنے والا تین حالتوں سے خالی
 نہیں ہوتا۔ یا بقصد چھوٹے دینے گناہ کے۔ یا بظاہر کرنا ہے یا
 اس ارادے سے کہ شاید اس شخص کی بیعت کی برکت سے
 گناہوں سے ہٹ جائوں گا۔ یا خوف محاکم سے، محاکم کا
 خوف تو اس زمانہ میں نہیں بغیر ان دونوں باتوں اول کہ
 اس پر کوئی باعث نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کو کوئی فائدہ ملتا
 ہے۔ اگر مصنف کو بیعت کرنے والے کا دلی حال معلوم ہے۔
 کہ اس کو کسی اور ہی فائدہ کا لحاظ ہے۔ تو ہمیں بھی ہتلا رہے۔
 کہ وہ فائدہ دینی ہے۔ یا دنیوی۔ اگر دینی ہے۔ مصنف کا اعتراض
 اس پر بجا ہے۔ اور اگر دنیوی ہے تو بیعت کرنا مستہزئہ
 آیات اللہ ہوگا۔ شیخ کا کیا قصور علم قلوب کے مدعی تو آپ
 ہو۔ شیخ کو حالت بیعت میں کیا خبر ہے۔ کہ شخص سیکے۔ یا
 منافق اگرچہ بیعت کے بعد عدم وفا اس سے معلوم کرے۔
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نظر کر دے۔ آپ کے
 پاس منافق آتے اور اخلاص ظاہر کرتے۔ آنحضرت ان کے
 لئے دعائے مغفرت کرتے توبہ کراتے اور بیعت لیتے پھر وحی

سے معلوم ہو جاتا کہ وہ ان کا تحفظ فریب تھا۔ مصنف کے
 نزدیک معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ
 نہیں ہے۔ اور اصل ایمان اور اسلام بھی ایک شہد مابین خالق
 اور مخلوق کے ہے۔ پس جو شخص صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے
 بچنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ وہ بحکم مصنف اسلام نہ لائے۔
 کیوں کہ عہد شکنی کے سبب استہزا لازم آئے گا۔ گویا مثلاً
 قصور ہی بمقتضائے قہور علم و فہم یہ فتویٰ دیتا ہے کہ مسلمان
 ہو کر گناہ کرے۔ یہی جہتر ہے کہ آدمی بحال کفر عز چاوے۔
 صحاح لکھے ہیں۔ اور یہی آدمی عورت کو طلاق دیتا تھا۔
 اور غلام کو آزاد کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں نے کچھ
 سے کیا ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

ھـ ا ب ک۔ مصنف نے وعدہ کیا تھا۔ جو ہم ہر مسئلہ کی
 سند میں حدیث صحیح یا حسن ضرور لادیں گے۔ اب ہم سوال
 کرتے ہیں کہ اسی آیت کا نشان نزول جو اس نے بیان کیا ہے حسب
 وعدہ حدیث صحیح یا حسن سے ثابت کیے۔ ورنہ یہ سبب وعدہ
 خلافی کے خود اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا۔

معاذ اللہ۔ ہمارے کچھ شک نہیں کہ جو اور او متصرف ہیں مردود
 ہیں۔ بعض شرعی بعض اختراعی ہیں۔ جو اختراعی ہیں۔ ان کو ہر ملت
 کا کسی کو شک نہیں۔

ہدایہ - دہرہ و عقیقہ اور دعائیں جن میں کلمات شرک
 ہوں یا مہمل الفاظ جن کے معانی معلوم نہ ہوں - یا اپنی شان
 اور مرتبہ سے بڑھ کر درخواست کرے - اس قسم کے اذکار اور
 دعائیں سب ناجائز ہیں - اور اگر اس قسم کی کوئی قباحت نہ
 پائی جیسا کہ ہے - تو اوراد وغیرہ اور ایسے شبہ جائزہ ہیں اللہ فرماتا ہے
 یا ایہا الذین امنوا اذکرو اللہ ذکرا کثیرا اے ایمان والو
 یاد کرو اللہ کی بہت سی یادگاری سے - اور فرمایا دعویٰ مستحب
 لکم - مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا - اور فرمایا - فاذکرونی
 اذکرکم ثم مجھے یاد کرو - میں تمہیں یاد کروں گا - یہ حکم عام ہے -
 کوئی جس طرح کی دعا چاہے کرے - کیفیت خاص نہیں فرمائی
 بلکہ مجمع حدیثوں سے ثابت ہے کہ دعا کرنے والے کو اختیار
 ہے - جو کسی دعا اس کو خوش آئے - اور جو وہ چاہے مانگے
 صحیحین میں ہے - ثم لیتخیر من الدعاء اعجب الیہ نمازی
 سلام پھر پسند کرے وہ دعا پڑھے جو اس کو زیادہ پسند
 اور نسیج میں ہے - لیکن من انکلام ما شاء قبل از سلام
 پسند کرنے پر بات کہ چاہے - حسب حاجت اور موافق اوقات
 کے آدمی دعا کرنی چاہتا ہے - اگر لفظ **یا صاحب** دعائیں
 توقیفی ہوں - (یعنی بجز ان الفاظ کے جو حدیث میں آچکے ہیں
 اور الفاظ سے دعا جائز نہ ہو) تو سوا خاص حاجتوں اور خاص

وقتوں سے مانگنا حرام ہو گا۔ سب اہل تو کیا بڑے بڑے عالم بھی
 اگر ہر ہر حاجت کے لئے دُعا مانگ رہے تھیں تو ممکن
 نہیں۔ ظاہر صاحب کا یہ قاعدہ بالکل غلط اور خلاف کتاب اور
 سنت کے ہے۔ حضرت رسالتؐ آپؐ تو نمازیں اہلِ اہلِ
 دین سے لیتے ہیں۔ کہ جو چاہو سو مانگو۔ یہ شخص (امتِ سرحد) تنگی
 کرنے والا اور مشقت ڈالنے والا) منع کرتا ہے۔ اور یہ طریقہ بات
 ہے کہ آپؐ خطباتِ عمید و جمعہ اور ابتدائے سال میں الفاظ
 غیر مانگو سے دُعا اور حمد اور ثناء کرتے ہیں۔ اور اس و عمید کا
 مصداق بنتے ہیں۔ **لَمْ يَقُولُوا مَا لَا يَفْعَلُونَ** (آداب اور یقیناً
مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُوقِرُونَ سلف صالحین کہ
 تصنیفات کو بلا حلقہ کرو دیکھا ہے کہ کتاب میں حمد اور ثناء اور دُعا سے
 نئے ڈھنگ سے لکھتے ہیں۔ دُعا اور ثناء سے مقصود صرف اپنی
 حاجت مندی اور عاجزی اور اس کی بزرگی اور نصرت کا اظہار
 ہے وقت اور زبان کی خصوصیت نہیں صحابہ کبارہ بجا لیتے نماز
 و دیگر اوقات نئی نئی طرز کی دُعا میں پڑھتے۔ آنحضرتؐ
 کو اعتراض نہ کرتے بلکہ بعض اوقات پسند فرماتے۔ سنن ابوداؤد
 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔ (ابن مسعود) جب
 جاء فدخل العتق وقد..... **يَا أَيُّهَا اللَّهُمَّ**
 فدعا ایک شخص آیا۔ اور صف میں شامل ہوا۔ اور اس وقت

اس کا دم ٹھکانے نہ تھا۔ پس اس نے کہا الحمد للہ حمد اکثر اطیبا
 مبارک کافیہ۔ جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ
 نے یہ کلمات کہے تھے۔ پس سب لوگ خاموش رہے۔ پھر
 فرمایا کون تھا کہنے والا اس نے کچھ بیجا نہیں کہا۔ پس ایک
 شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں آیا اور میرا دم ٹھکانے
 نہ تھا۔ اس وقت میں نے یہ کلمات کہے تھے۔ پس فرمایا
 ہم نے دیکھے بارہ فرشتے چھپٹے تھے جو ان کو پہلے کون اٹھاتا
 تھے۔ اور ابو داؤد میں عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال
 عطس شاب من الانصار خلف رسول اللہ ...
 قال ما تسمع دون عرش الرحمن کہا ابو عامر نے
 ایک جوان انصاری نے چھپکا سالی آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھتے
 ہوئے۔ پس کہا اس انصاری نے الحمد للہ حمد اکثر اطیبا مبارک
 کافیہ آنحضرت تک۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے رسول اللہ
 صلعم نے فرمایا کہ کس نے کہی تھی یہ بات۔ ابو عامر کہتے
 ہیں۔ پس چھپکا ہو رہا وہ جوان، پھر فرمایا کون تھا کہنے والا اس
 بات کا اس نے کچھ بڑی بات نہیں کی۔ پس اس نے عرض کیا۔
 یا رسول اللہ میں نے کہا تھا وہ کلمہ اور سوائے خیر کے میرا کچھ
 مقصود نہ تھا۔ فرمایا اس کلمہ نے غرش پر پہنچ کر دم لیا ہے اور
 بخاری وغیرہ میں ہے۔ عن رفاعہ قال کنا یوما ویراء...

..... ملک بیتا سرونہا الہم یکتہما اول روایت سے رفاعہ
 رضی اللہ عنہ سے کہ ایک روز ہم آنحضرت کے مقتدری تھے پس
 جب آنجناب نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا۔ سمع اللہ لمن حمدہ
 کہا۔ ایک شخص نے پیچھے کھڑے کہہ دیا۔ ربنا وک الحمد للکثیر اطیبا
 مبارکافہ پس جب آپ نے سلام پھیرا فرمایا کون تھا کہنے والا۔ اس
 شخص نے عرض کیا میں ہوں یا رسول اللہ فرمایا ہم نے دیکھے کچھ
 اوپر ترس فرشتے جھپٹتے تھے۔ ہم کون ان کو پیچھے لکھتا ہے اور البراد اور
 اور ترمذی ہیں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلعم نے سنا کہ ایک شخص اپنی دعا میں کہتا۔ (اللہم انی
 اسالک بانک انت اللہ لا الہ الا انت)۔
 اعطی واذا دعی بہ احباب اے اللہ میں تجھ سے سوال
 کرتا ہوں۔ بہ سبب اس۔ کہ جو تو ہی معبود و رب حق نہیں ہے کوئی معبود
 مگر تو جو اکہلا اور پاک ہے۔ وہ ذات ہے تیری جس نے نہ جہنم
 نہ خود جہنم کیا۔ اور جس کے برابر کا کوئی نہیں پس فرمایا اس
 نے پکارا۔ ہے اللہ کو ساتھ ایسے اسم عظمت دے کہ جس وقت
 سوال کیا جاتا ہے۔ اس کے واسطے سے عطا کرتا ہے اور جو وقت
 پکارا جاتا ہے۔ ساتھ اس کے احباب کرتا ہے۔ اور زمین کی روایت
 میں ہے۔ عن بریدۃ قال حدثت النبی عشاء.....
 اخ صدیق حدثنی بحديث مرسل اللہ صلعم کہا

بریدہ رضی اللہ عنہ نے میں عشاء کے وقت مسجد میں داخل ہوا۔
 کیا دیکھتا ہوں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دعا مانگ رہا ہے۔
 پس کہا ابو موسیٰ نے اللہم انی اشہد کفرا احدک لبواخفرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا۔ بے شک اس نے پروردگار
 کو اس کے ایسے اسم اعظم کے ساتھ پکارا ہے جس وقت سوال
 کیا جاتا ہے۔ اس اسم کے ساتھ عطا کرتا ہے۔ اور جس وقت
 پکارا جاتا ہے۔ ساتھ اس کے قبول فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔
 یا رسول اللہ میں ابو موسیٰ کو بہت یادوں جو آپ سے سنتا ہے فرمایا
 ہاں۔ پس میں نے ابو موسیٰ کو خبر دی۔ آنحضرت کے ارشاد
 سے۔ پس انہوں نے مجھ سے کہا۔ تو آج سے میرا مہربان بھائی
 ہے۔ تو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی اور موصوفات
 مالک میں ہے۔ کہ جب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تہجد کے لئے
 اٹھتے تو کہتے نامت العین وهدات النجفون ولم یبق
 الا انت یا حی یا قیوم آنکبیں سو گئیں اور بگوں نے آرام کیا۔
 اور کوئی باقی نہیں مگر تو اسے زندہ رہنے والے قائم رہنے والے۔
 ناظرین ان روایتوں کو مشقی نمونہ از خرداں سمجھیں ورنہ اس قسم
 کی حدیث روایتیں ہیں اور واضح ہو کہ یہ دعائیں اور اذکار جن
 کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرام اپنے دل سے بنا کر پڑھا کرتے
 تھے۔ اور یہ احتمال ہرگز نہیں ہو سکتا کہ صحابہ آنحضرت سے سنکر

اور سیکھ کر پڑھتے ہوں گے۔ کیوں کہ ان روایتوں میں تصریح
ہے کہ آنحضرتؐ نے کہنے والوں کا نام دریافت فرمایا اور کہنے والا
مارے خوف سے دب کر چپ ہو رہا جب آپؐ نے تسلی فرمائی۔
تب اقرار کیا۔ اور بیریہ ابو موسیٰ کو مشرودہ مسئلے کے لئے دوڑے
ان سچا بہ فرائن سے صاف ثابت ہوئے۔ کہ صحابہ نے وقت اور جہت
کے موافق جن اضافے سے سچا ہوا اپنے حبیب کو بکھارا۔ اور اگر یہ کہیں
کہ تمام اقوال و افعال جو صحابہ سے یہی وقوع میں آئے ہیں۔ سب
آنحضرتؐ سے دیکھ کر اور سن کر انہوں نے کہے ہیں۔ اور انہوں نے
موقوفہ کی نفی لازم آئے گی۔ حالانکہ جملہ محدثین حدیث سے کہے دو
قسم کا کہتے ہیں۔ ایک مرفوع (جس کا ثبوت صحیحہ یا حکما آنحضرتؐ
سے ہو) و دوم موقوف (جس کا ثبوت صحابی سے ہو) غرض تو اہم
نبوی کے سوا صحابہ کرام سے ادعیہ اور اذکار ثابت ہیں۔ البتہ
اس بات میں شک نہیں کہ دعائے غیر ماثورہ دعائے
ماثورہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

مرغی الطہارۃ - اور جو شرعی ہیں۔ ان کو تغیر اوقات
تغیر اوضاع تغیر عادات تغیر تقدیم و تاخیر اور تغیر التزام
وغیر ذلک سے عمل میں لائے ہیں۔ اور تغیر روایات کا بدعت
ہے۔ حکم بدعت ضار و مضر ہے۔

ہذا البیہ - بیشک دعائے ماثورہ کے لفظوں کو بدلتا منع

ہے۔ چنانچہ ثابت ہے کہ ایک شخص دعائیں بجائے لفظ نبی کے رسول پڑھتا تھا۔ آپ نے اس کو منع فرمایا۔ اور اگر ایک امر آنحضرت سے ثابت ہو جائے۔ مگر اس کی مداومت اور اس کا شمار اور اس کے وقتوں کی خصوصیت ہمیں ثابت نہ ہو۔ تو اس کو خاص اوقات میں معین عدد کے موافق ہمیشہ عمل میں لانا بدعت نہ ہوگا۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔ (حب الہ عمال الی اللہ) اور وہاں پر دروکار کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہ کام ہے جس پر ہمیشگی کی جاوے۔ بموجب اس حدیث کے یہ سب التزام جائز ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک صحابی رجا اپنی قوم میں امام تھا، اوقات پنجگانہ میں ہر رکعت کے اندر (حبیب فاتحہ سے سورت ضم کرتا) تو پہلے قل ہو اللہ رب العزت پھر اور سورت ملاتا۔ مقتدیوں نے کہا۔ آپ ہمیشہ قل ہو اللہ احد کیوں پڑھتے ہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ امام نے کہا۔ اگر تم میری امامت پر راضی ہو۔ تو میں قل ہو اللہ ضرور پڑھوں گا۔ ورنہ تمہارا اختیار ہے۔ کسی دوسرے شخص کو امام مقرر کرو۔ مقتدیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس بات کی شکایت کی۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اسے شخص بتلا کیا باعث ہے۔ جو تو اس سورہ کو ہمیشہ پڑھتا ہے۔ اور اس کے ترک سے تجھے کون مانع ہے اس

نے عرض کیا۔ مجھے اس سورت سے محبت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کرے گی۔ اور صحیح میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ ہر ایک وضو کے بعد دو گانہ پڑھتا۔ جب آنحضرت کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے کچھ اعتراض اور انکار نہ کیا۔ اور الجود اور میں ہے کہ آذان فجر سے پہلے ہمیشہ بلال رضی اللہ عنہ یہ دعا پڑھتے۔ اللهم انی، احمدک و استعینک علی قریش ان یقیموا دینک، اللہ میں تیری گنت کیا ہوگی اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔ قریش پر اس بات کو جو یہ قسم کریں۔ دین تیرا اور اللہ کی ہدایت کو کیا ان کا ایک دفعہ کا و قوز بھی آنحضرت سے ثابت نہیں۔ اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کی نماز ہمیشہ پڑھتیں۔ اور فرماتیں۔ اگر میرے ماں اور باپ دونوں نہ رہے ہوجاویں۔ تو اس نماز کو نہ چھوڑوں (یعنی نماز چھوڑ کر ان کی زیارت کو نہ جاؤں۔) چاشت کی نماز بالمشاق علیہ آنحضرت سے ثابت نہیں ہوتی مختلف فیہ ہے۔ ہدایت کا تو ذکر کیا ہے۔ اور بعض اوقات کی فضیلت شائد سے ثابت ہے اگر کوئی شخص واسطے ذکر اور حمد اور تسبیح کے ان وقتوں کو متہمل کرے۔ تو بیشک افضل ہوگا۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ قسبح بحمد ربی باع قبل طلوع الشمس وقبل الغروب پس ان کی بیان کر ساتھ حمد رب اپنے کے پہلے سورج کے نکلنے سے اور پہلے چھینے

اللہ سے بہشت اور اس کی پناہ لے دوں گے۔ پس تحقیق میں نے سنا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ایک قوم بھڑیادتی کریں گے وضو اور دعا یہ دو جہاں ملا صاحب نے گھر سے ملا دیئے ہیں۔ (روضو میں دعا پڑھ رہا تھا۔) اور ہم کو رسول اللہ نے اتنی دعا سکھائی ہے۔ اللہم انی اسألك الجنة اگرچہ احتمال ہے کہ تفسیر اسباب نے واسطہ یہ الفاظ نہ پڑھا ہے بلکہ بیماری اور بڑھاپے کے باعث کچھ کمی بیشی ہو گئی ہو۔ مگر بظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ واسطہ اس بات دعا کے (کہ ماثور پر زیادتی جائز نہیں) اس امر نا جائز کا ارتکاب کیا ہے۔ انا لله وانا الیہ راجعون حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دعائیں غلو اور افراط نہ کرو۔ یعنی اپنے منصب سے بڑھ کر سوال نہ کرو۔ قصص البیض عن جمیع الجنة انبیاء کا مقام ہے ملا نے اتنا جملہ رہیم کو رسول اللہ نے اتنی دعا سکھائی ہے۔ اللہم انی اسألك الجنة (بڑھاپے پر کثرت کا حق ادا کر دیا۔ اور مطلب کو بالکل بدل دیا۔ اب ماحصل کیا ٹھہرا۔ کہ دعا ماثور میں اور الفاظ نہ ملاؤ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ دعا کی کمی بیشی سے تو آپ منع کرتے ہیں۔ اور روایت میں خیانت کرنے سے اور تحریف مضامین اور پیغمبر پر بہتان بائیسہ سے کیوں نہیں ڈرتے آپ نے یہ وعید نہیں سننا۔ من کن علی

متعدد فلیتبا مقعد من المناسر صحابہ کرام دعائے مانورہ میں
الفاظ پڑھا کر پڑھا کرتے۔ اور حضرت کچھ انکار نہ فرماتے تھے صحیحین
میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح لبیک پکارتے تھے۔ لبیک واللہ لبیک لا شریک
لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والحمد لا شریک لک
اور خود جناب عبداللہ مسنون تلبیہ پر یہ الفاظ زیادہ کرتے۔
لبیک وسعدیک والخیوبیدیک والمرغباء الیک
اور ابو داؤد میں ہے کہ لوگ آنحضرت کی تلبیہ پر لفظ ذا المعارج
وامثال ذلک زیادہ کرتے اور آپ سنیۃ اور کچھ نہ فرماتے صحابی
کی جگہ اصحاب کہنا ائمہ دعا کی جمع جو دعوات اور ادعیہ ہیں۔
ادعیات بنانا مصنف کی لیاقت کی دلیل ہے۔

صغیر لطف علیہ۔ فقہا بھی والد رحمتہ الرفیعة سے جو دعا اذان
میں داخل ہے۔ منع کرتے ہیں۔ جیسا کہ رد المختار میں ہے۔ اور انت
السلام و منک السلام میں جو زیادہ بڑی گئی ہے۔ علمائے اس
سے منع کر رہے ہیں۔ چنانچہ تلامذہ علی قاری نے رسالہ مصنوع فی
اسی دیش الموضوع میں لکھا ہے۔

حسن ایدہ۔ مولانا صاحب نے فقہاء کی عبارتوں کو نقل نہیں
کیا۔ بغیر دیکھے آپ کی روایت اور روایت کا اعتبار نہیں کہ
مکتبہ خانبہا فقہاء نے اس طرح لکھا ہے گا۔ جو یہ الفاظ مانورہ میں

ہیں۔ آپ نے اُس کا ترجمہ کیا۔ ان الفاظ سے منع کرتے ہیں۔ اور
 یا فرض اگر کسی عالم نے ایسا کہا ہو۔ تو کیا ہم اس کے مقلد
 ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریق چھوڑ دیں گی۔ میں کہتا
 ہوں کہ کوئی ایسی علم سنّت صحابہ چھوڑ کر ایسی بیجا تقلید نہ
 کرے گا۔ صاحب روالمختار نے والد سراجۃ الرفیعة پر شے سے
 منع نہیں کیا۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ سے صرف یہ بات نقل
 کی ہے کہ یہ الفاظ اُردیے اصل ہیں۔ چنانچہ ان کی عبارت یہ
 ہے۔ قال ابن حجر و زیادة والد سراجۃ الرفیعة و ختمہ بیا
 الرحیم الراحمین لا اصل لہما کہا ابن حجر نے زیادتی والد
 سراجۃ الرفیعتہ کی اور اُس دعا کو ختم کرنا ساتھ دیا رحمتہ الرحمین
 کے ہاں کچھ اصل نہیں۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ شیخ جزیری
 سے نقل کرتے ہیں۔ واما ما یزاد بعد قوله اللهم انت السلام
 من نعبد الیك بیرجیع السلام حینا ربنا یا اسلام وادخلنا
 دار السلام فلا اصل له بل قد فشتت بعض القصاص اورد
 جو کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ اللهم انت السلام کے پیچھے مثلاً کہتے
 ہیں۔ وادخلنا دار السلام حینا ربنا یا اسلام وادخلنا دار السلام
 اس کا کچھ اصل نہیں یہ بعض فقہاء انوں کی ایجاد ہے۔ ان عالموں
 نے تو الفاظ ماثورہ اور غیر ماثورہ کو علیحدہ کر کے بتلایا ہے ان
 کے پڑھنے سے منع نہیں کیا۔ اور ملا صاحب نے عدم ثبوت

اور حرمت کو ایک ٹھہرا کر ممانعت کا فتویٰ جاری کر دیا۔ طرہ
تو یہ ہے کہ سلام کا ترجمہ اسلام کے ساتھ ہے۔

صفحة ۱۰۸۔ اگر ادعیات اور ان تو قیچی نہ ہوتے تو صحابہ
کو صلوات کی کیفیت دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

حدیث ۱۰۔ اگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے نماز کا طریقہ سیکھا۔ تو اس سے یہ نہیں پایا جاتا

کہ سب اذکار آنحضرت کی تعلیم پر موقوف ہیں۔ البتہ یہ ثابت
ہوتا ہے کہ ذکر یا تلوذ غیر التلوذ افضل ہے۔ اسی واسطے تشہید میں

علماء کا اختلاف ہے۔ اور جن کلمات کو جس نے تلوذ حیانا
انہیں کے پڑھنے کا فتویٰ دیا۔ اور افضل سمجھا۔ تمام علما اور

محدثین بلکہ تمام امت محمدیہ کا قاعدہ ہے کہ جب پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان پر لگتے ہیں۔ تو یہ

درد و دل (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں
جایجا لکھتے ہیں۔ اور علماء صاحبان نے بھی اپنے اس رسالہ

میں جہاں آنحضرت کا ذکر آیا ہے۔ وہیں یہ درود لکھا ہے۔
بلکہ اس رسالہ کے اخیر میں جہاں ہندوی کا مسئلہ لکھا

ہے۔ لکھتے ہیں و صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ و صحابہ اجمعین حالانکہ
یہ الفاظ آنحضرت سے منقول نہیں۔ پس آپ بھی اہل بدعت

مطہر سے اور تمام بزرگان امت کو بھی معاذ اللہ بدعتی ٹھہرایا درود

اور دعا جس میں کلمہ شہرک نہ ہو اگر حبیہ غیر ماثورہ ہو اس کا پڑھنا بے شہادہ ہے۔

صغالیہ ۱۰۹۔ تشہید جو صحابہ کرام اپنے طور سے پڑھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اور ایک التحيات ان کے واسطے خاص فرمایا۔

ھل الیہ۔ اس تشہید میں تاجرات الفاظ اور غیر جامدہ دعائیں پڑھتے تھے۔ مثلاً کہتے تھے۔ السلام علی اللہ آنحضرت نے فرمایا۔ اللہ خود سلام ہے۔ اس پر سلامتی بھیجنے کے کیا معنی۔ اور کہتے السلام علی جبرائیل السلام علی میکائیل السلام علی فلان وفلان آپ نے مجھے اس کے کلام جامع ثلاثین فرمائی السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اس میں تمام بندگان خدا اہل السموات والارض سب آگئے غرض پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تشہید میں قباحات اور نقصان دیکھ کر اصلاح فرمائی۔ یہ ٹھیک کہ سوائے ادعیہ ماثورہ کے اور دعاؤں سے منع فرمادیا اور اماموں کا اختلاف بھی بعض الفاظ کی تفصیلات میں ہے۔ اور جاثرونا جاثروہ نے کی بات نہیں۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ نے اس بات کو بصراحت بیان کیا ہے۔

صغالیہ ۱۱۰۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے جس کے راوی سب صحیح ہیں۔

حدیث را دیند۔ مصنف کا یہ منصب نہیں۔ کہ روایات پر ضعف اور محوت کا حکم لگا دے۔ مگر صاحب کو چاہیے۔ کہ حکم صحت کسی محدث سے نقل کریں۔ بلکہ یہ روایت پر مجروح ہوتے۔ اس کے راویوں میں اعمش ہے۔ جو حدیث میں ہے اور عن کہہ کر روایات کرتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک حدیث میں جو عن کہہ کر روایت کرتے۔ اس کی روایت صحیح نہیں سمجھی جاتی۔ اور جو اس کے سوا راوی ہیں۔ ان کا تہذیب و چارہ ہمارا کام نہیں۔ آئندہ حدیث ان کی شناخت کر سکتے ہیں۔ ہمارے مگر صاحب شاید راویوں کی مزاج پر سی کو لگے ہوتے۔ ان کو متنبہ دیتے ہیں۔ کہ بفضلہ تعالیٰ سب راوی صحیح و سلامت تہذیب و چارہ ہیں۔ محدثین کی اصلاح میں تو صحت اور ضعف روایت کی صفت ہے۔ راویوں کی صفت نہیں۔

صالح الطبرانی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اذکار نماز کے اذکار ہیں۔ ہذا یہ۔ ہم اس حدیث کو بالفاظ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ طالبان حق بنظر انصاف دیکھیں۔ جو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ جو اذکار آنحضرت کی تعلیم پر موقوف ہیں۔ یا اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل ما اقبل فی صلوٰتک قال الشہد ثم اسال اللہ جنة و اخذہ من النار وانا واللہ ما احسن دندنتک ولا

دندنۃ معاذ فقال حر لهما عند ذلک روایت ہے ابی ہریرہ
 رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص
 کو فرمایا۔ تو اپنی نماز میں کیا کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا میں تشریف
 پڑھتا ہوں پھر (التحیات کے بعد) سوال کرتا ہوں۔ اللہ سے
 جنت کا اور اس کی پناہ چاہتا ہوں۔ دوزخ سے اور قسم ہے
 پروردگار کی۔ آپ کی غفنا ہٹ رہی ہے آپ کی آواز سے چپکے چپکے
 پڑھتے ہیں، اور معاذ کی غفنا ہٹ چکی تھی طرح میری سمجھ میں نہیں
 آتی۔ آپ نے فرمایا ان دو کلمات (سوال جنت اور پناہ) دوزخ
 کے گروہ میں ہم غفنا ہٹ کیا کرتے ہیں۔ اس حدیث سے عبادت
 ثابت ہے۔ جو کوئی دعا نماز میں پڑھی جائے یا خارج از نماز تعلیم
 نبویہ پر موقوف نہیں۔ آنحضرت کی جناب میں اس سے شکا بہت
 بھی کی بجز میں آپ کی دعا نہیں سمجھتا تاہم آپ نے اس کو کچھ
 نہیں سکھلایا۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ تو اپنے دل سے دعا
 بنا کر پڑھنے کے سبب بدعتی ہو گیا ہے۔ اگر دعا اور ذکر واقعی
 ہوتے تو آپ اس کے یہ کلمات سن کر دشمن اس سال اللہ الجنة
 واعذ بہ من الناس ضرور فرماتے کہ اس طرح جنت کا
 سوال کر اور ان الفاظ کے ساتھ جہنم سے خدا کی پناہ مانگ
 حق ظاہر ہے۔ مگر جن کو بصیرت نہ ہو۔ وہ نہیں دیکھ سکتے۔
 مغلطہ ۱۱۷۔ اور ان کی آواز اپنے کانوں تک بھی نہیں

پہنچتی۔ ان کی نماز جائز نہیں حقیقہ الفقہاء۔
 ہدایہ۔ آپ نماز کے ناجائز ہونے کی کیا اچھی دلیل
 لائے ہیں۔ وعدہ تو کیا تھا کہ ہم آیت اور حدیث سے سند لاویں
 گے۔ جب آیت و حدیث سے کوئی سند نہ ملی تو فقہاء کے
 مقلد بن گئے۔ عدۃ المؤمن کاخذ الکف۔ مگر خدا خیالے
 ملا صاحب کیسے مومن ہیں۔ جن کو ایسا وعدہ کا کچھ خیال نہیں۔
 یہ ہیں کتاب اور سنت کہیں ثابت کرو۔ کہ جس کی آواز کانوں
 تک نہ پہنچے۔ اس کی نماز جائز نہیں۔

صغالطہ ۱۱۱۔ یہ دلائل صحیحہ شرعیہ ذکر کے تو قیفا ہونے پر
 اور ذکر معولہ صوفیہ کے بدعت ہونے پر لکھ چکا ہوں۔
 ہدایہ۔ آپ نے ایک حدیث بھی مفید مدعا نہیں لکھی
 اور جو بنیم خود لکھا ہے۔ وہ بالکل تسبیح عنکبوت (مکڑی کا خیال)
 ہے۔ چنانچہ ہم ہر ایک بات کا جواب جس سے ملا صاحب
 کی غلط فہمی ظاہر ہوتی ہے۔ بہ تفصیل لکھ چکے ہیں۔

صغالطہ ۱۱۲۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے وصیت
 نامہ میں بیعت سے منع کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ دین نہ مان
 و سنت بدست کے نہایت داو اور قول جمیل میں سنت لکھا ہے۔
 اور مولوی اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان اور ایضاح الحق میں
 کس کس غوی سے بدعت و شرک کیا ہے۔ اور صراط مستقیم

اور رسالہ امامت میں اس کے منافی اور خلاف لکھا ہے۔
حدایہ۔ شاہ صاحب کی کلام میں کچھ تناقض نہیں جو
 انہوں نے لکھا ہے۔ سب حق ہے۔ قول الجمیل میں لکھتے ہیں۔
 کہ بیعت سنت ہے۔ اور وصیت نامہ میں فرماتے ہیں۔ (دست
 در دست مشارع ابن نہ مان نیاید داد) اس کا مطلب یہ ہے
 کہ سوئے سمجھ کر بیعت کرنی چاہیئے۔ اس وقت کے پیر اکبر شاہ
 اور بدعتی ہیں۔ اگر کوئی متبع سنت اور اہل حق پیشوا مل جائے تو
 سبحان اللہ نعمت عظمیٰ ہے۔ غنیمت سمجھے اور بیعت کرے۔ کہو
 اس میں کیا تناقض ہے۔ تعصب کا اندھیرا آپ کے راستہ میں
 چھا گیا ہے۔ تشیب و فرائد کچھ نہیں۔ سو جھٹانا حق بزرگوں پر
 اعتراض کرتے ہو۔ اور جو مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر کو آپ
 متناقض بتلاتے ہیں۔ غالباً وہ بھی آپ کی کج فہمی کا نتیجہ ہو گا۔
 اگر آپ عبارت نقل کر دیتے تو البتہ ناظرین کو حال معلوم ہو جاتا۔
مغالطہ ۱۱۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وصیت
 نامہ میں لکھتے ہیں۔ و کلام شارع ہرگز برہین معنی محمول نیست نہ
 صریحاً نہ اشارتاً اسے قومی این مطالب رائہ کلام شارع فقہیہ
 اند مثل آنکہ کسی نیست قصہ لیلی مجنون شہود و ہرگزنی را بر گزشت
 خود گل کند و آنرا اور عرف ایشان اعتبار گویند۔
حدایہ۔ شاہ صاحب کی غرض یہ ہے۔ کہ صوفیوں کے

اعتبارات اور اشارات جو وہ آیات اور حدیثوں سے نکالتے
 ہیں۔ دراصل فن تفسیر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک جداگانہ فن ہے جس
 کا نام اعتبار ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے بھی فن اعتبار کو معتبر قرار دیا ہے۔ اور خود اس
 روش کو اعتبار فرمایا ہے۔ چنانچہ فوز الکبیر میں لکھتے ہیں۔ وَأَمَّا
 اشارات الصوفیۃ واعتبار الہم..... فتعالیٰ باب۔ اور
 لہم صحت الصلوۃ۔ اسے پر صوفیوں کے اشارے اور ان کے
 اعتبارات دراصل فن تفسیر سے نہیں ہیں۔ آخر لکھتے ہیں۔ کہ
 اس مقام میں ایک ضروری فائدہ ہے۔ جس کی آگاہی مناسب
 ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فن اعتبار کو معتبر ٹھہرایا ہے۔ اور خود اس روش کو
 اختیار فرمایا ہے۔ تاکہ علمائے اہل سنت کے لئے سنت ہو جائے
 اور جو علم ان کو عطاء ہوئے ہیں۔ ان علموں کا دروازہ کھل
 جاوے۔ ملا صاحب کو اظہار حق منظور نہیں۔ تبلیغ عوام کے
 لئے طرح طرح کے فریب کرتے۔ صریح اور مفصل بات کو چھوڑ
 کر ایکسچینجی قول لکھتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ شاہ صاحب
 جیسے عالم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ بالفرض والتقدیر اگر مرزا
 صاحب اور شاہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب اس
 طائفہ عالیہ کے منکر ہو جاتیں۔ تو کیا ان کا قول ہم پر حجت

ہوگا۔ اور کیا اقوال علماء آپ کے نزدیک نصوص شریعتی ہیں۔ چہ جہا کہ یہ بزرگوار خود اس طائفہ میں داخل ہیں۔
 صفحہ ۱۱۶۔ راقم کہتا ہے کہ مولوی محمد اسماعیل نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ اشغال صوفیہ بیشتر عیب نہیں یہ آلہ احسان کے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ آلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ یا مروجی شاریع سے یا غیر مروجی مروجی جیسا کہ وغیرہ واسطے نماز کے اور ہر قسم کے ہتھیار واسطے جنگ کے۔

صفحہ ۱۱۷۔ مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ کہ صوفیوں کے اشغال کو امور اصلی اور مقصور بالذات نہ سمجھنا۔ چاہیے بلکہ یہ اخلاص اور احسان کا آلہ اور وسیلہ ہیں اور وسیلہ کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل شے کا حکم ہو۔ مثلاً صاحب نے مختصر عبارت نقل کر کے اصل مطلب کو چھپا دیا ہے۔ خدا ان کو ہدایت کرے۔ آپ لکھتے ہیں۔ وضو نماز کا آلہ ہے۔ چہ خوش خوب سمجھے۔ ایسی عقل نقلی جو بیعت کے منکر ہوئے وضو شرط نماز ہے۔ نماز کا آلہ نہیں۔ شرط شے اس چیز کو کہتے ہیں جس کے سوا دوسری چیز پائی نہ جاوے۔ جیسے وضو واسطے نماز کے۔ جب تک وضو نہ کیا جائے گا۔ تب تک نماز نہ ہوگی۔ اور آلہ کہتے ہیں اوزار کو جیسے دوخت کا اوزار سوئی اور کوٹھے پر چڑھنے کا اوزار سیڑھی۔ نماز کا آلہ تو خود نماز

ہی تھے۔ اور وہ اس کے لئے شرط اور خوبی دیکھتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ آلہ مروی رحمن کی سزا پیغمبر خدا سے ہو، کی مثال جیسے ہر قسم کی لڑائی کے ہتھیار۔ شاہد بندوق اور توپ بھی آپ کے نزدیک خیرات قرون میں بنی ہو گی۔ یہ بات بالکل خلاف ہے۔ مغالطہ کیا۔ اور یہ اذکار و اشغال تو آلہ ہی نہیں بن سکتے کیوں کہ آلہ غیر ذی آلہ کا ہوتا ہے۔

دعا ایک۔ ذکر جو آلہ احسان ہے۔ ذی آلہ کا عین کس طرح ہو گیا۔ ذکر آلہ ہی سے تو اخلاص اور ثابت پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی اخلاص کا نام احسان ہے۔ آپ کس عقل سے کہتے ہیں۔ اشغال تو آلہ ہی نہیں بن سکتے۔ کیوں کہ آلہ غیر ذی آلہ کا ہوتا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک ذکر اور رتبہ احسان کا ایک ہی چیز ہیں۔ خدا کے لئے آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ لوگ سنیں گے۔ تو آپ کو جنوں کی طرف نسبت کریں گے۔

مغالطہ کیا۔ اور جو خوارق و اعمال ایسے لوگوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ جو سنت کے خلاف سے ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ سب شیطانی ہے۔ پس یہ خوارق شیطانی ہیں۔ جیسا کہ تطہیر الاعتقاد میں ہے۔ اور ملا علی قاری شریعہ فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔ اولہ ابن تیمیہ فرقان میں کہتا ہے۔

دعا ایک۔ بیشک جو لوگ اسماء الہی کو تفریوے کرتے ہیں

ہیں۔ یا مشائخ کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔
 اور ان کے اقوال اور خوارق سب شیطانی ہیں۔ تطہیر الاعتقاد
 اور بشرح فقہ اکبر فرقان میں ان صوفیوں کا ذکر ہے۔ جو اقسام
 شرک میں مبتلا ہیں۔ اور جن کا عقیدہ ہے۔ حلیل۔ اتحاد اتصال
 اور ذات باری تعالیٰ کو وجود مطلق سمجھتے ہیں۔ ایسے گناہ
 اعتقاد والوں کے حق میں انہوں نے یہ فتویٰ لگائے ہیں مصنف
 نے کمال بے انصافی کی۔ عوام الناس کو دھوکا دیا۔ فقط اثنا
 لکھ دیا کہ یہ لوگ بیسے ہیں۔ اس کو چاہیے تھا مفصلاً لکھنا۔
 کہ جو اہل شرع اور اہل حق ہیں۔ وہ ملکی صفات رکھتے ہیں اور
 ان کی خوارق کبریات ہیں۔ اور جو مشرک اور گمراہ ہیں۔ ان کے
 حالات اور خوارق شیطانی ہیں۔ ملاً علی قاری نے بعد از ملینا
 کے اہل حق صوفیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی بڑی تعریف بھی
 ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ هذه طریقة السابقین الاولین
 وہی..... بعد ہم خلف اصحاب الصلوٰۃ و
 اتباع الشہادت ترجمہ۔ یہ طریقہ ہے۔ آگے بڑھنے والے اول
 درجہ کے لوگوں کا اور طریقہ ہے تابعین اور ایہ مجتہدین اور
 اکابر مفسرین اور محدثین اور لکے زمانہ کے برگزیدہ صوفیوں
 کا اور جیسے داؤد طائی اور محاسبی اور سری سقطی اور معروف
 کرخی اور حنفی بغدادی رحمہم اللہ اور پچھلے زمانہ کے اہل تصوف

کا مانند ابو نجیب سہروردی اور عبدالقادر جیلانی صاحب
 عوارف اور ابو القاسم قشیری کی آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ
 اُن کے پیچھے رہے۔ ناخلف جنہوں نے نماز کو ضائع کیا۔ اور
 شہوتوں کے پیچھے لگے۔ اور محمد بن اسماعیل نے بھی انہیں کو
 بُرا کہا ہے جن کو تصوف کا دعوے لےئے۔ اور ذکر الہی اور عبادت
 حقیقہ ذات نفسانی کے درپے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔
 وتزعم ان هذه كرامات لاهل هذه احوال
 شیطانية الى آخر ما نقله المصنف کیا تو گمان کرتا ہے تحقیق
 یہ شعبہ ان مجذوبوں گمراہوں مشرکوں کی کرامتیں ہیں جو لوگ
 اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کرتے۔ اور اللہ واحد کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔
 تو ایسا اعتقاد رکھتا ہے۔ پس گویا تو نے مشرکوں کے لئے کرامات
 کا درجہ ثابت کیا۔ اور ایسے اعتقاد سے دین کے قواعد کو
 برباد کر دیا۔ اور جس وقت تو نے پہچان لیا۔ باطل ہونا دونوں امر
 کا تو نے جان لیا۔ اس بات کو تحقیق یہ حالات شیطانی ہیں۔ اور
 شیخ ابن تیمیہ فرقان میں لکھتے ہیں۔ فان ابن عربی وامثاله
 وان ادعوا انکر خف والمجنید ابن محمد وسهل
 بن عبد الله المسترک وامثاله تحقیق ابن عربی اور اس کی امثال
 اگرچہ دعویٰ کریں۔ کہ وہ لوگ صوفی ہیں۔ پس وہ ہیں ملحد فلسفی
 صوفی نہیں ہیں۔ اہل کلام صوفیوں میں چہ جائے کہ وہ ہر وہ

اُن مشائخ میں سے جو صاحب کتاب اور سنت ہیں۔ جیسے فضیل
بیٹے عیاض کے اور ابراہیم اوصم اور ابو سلیمان دارانی اور معروف
کرخی اور حنبل بن محمد اور سہیل بن عبد اللہ تستری اور امثال
ان کے اور پھر اس کے قریب فرماتے ہیں۔ فساد المجتہد
کات میت ایمة الهدی بے شک مجتہد تھے۔ پیشوا بیان ہدایت
علوی سے ملا صاحب نے ان عبارتوں کو (جن میں طریقہ تصوف
کا اقرار ہے۔ اور صوفیہ کی خوبزیوں کا تمام بنام ذکر ہے) حذف کر
دیا۔ اور خلیفہ خدا کے بہکانے کو ناقص عبارتیں جن میں ملحدوں
کا ذکر ہے نقل کر دیں۔ یہ انکار سنت کا وبال ہے۔ جو تم خیانت
اور تحریف کرنے لگے۔ یاد رہے کہ پروردگار دغا بازوں کو کامیاب
نہیں کرتا۔ ان اللہ لا یدعی کید الخائنین ہم کہتے ہیں
کہ جب بیعت کا سنت ہونا صحیح سندوں سے ثابت ہے۔ پس
بالفرض اگر ابن تیمیہ اور ملا علی قاری صوفیوں کے منکر ہو جائیں۔
تو ان کے کہنے سے سنت منسوخ ہو جائے گی۔ اور آپ کیلئے
لڑان کا قول حجت نہ ہو۔ مگر لوگوں کے حق میں حجت ہو جائیگا۔
مخالطہ ۱۱۹۔ جیسا کہ تطہیر الاعتقاد میں ہے۔ فانی
قلت قد تیقت من هؤلاء الذین یلوکون المجلدات
یضیقون البید اهل النجاسة والبطالة القویات پس اگر
تو کہے کہ میں اتفاق ہوتا ہے۔ ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اسم اللہ

کو اور نسبت کرتے ہیں طرف اُن کی صاحب فریب اور بطلان
 کراستوں کو۔ **ہذا** ایک۔ واہ کیا ہی ترجمہ کیا ہے۔ تیفق
 فعل اس کا فاعل نارادہ۔ یعنی فون جو کہ مع معطوف علیہ پیش کے
 علاوہ ہے۔ مفعول کا مفعول صلہ مل کر مجرور ہو کر سبب ار کا تیفق سے
 متعلق تھا۔ جدا جملہ بنا دیا خوارق (جو دراصل تیفق کا فاعل ہے)
 یعنی فون کا مفعول ٹھہرا دیا۔ اہل الخلاء غنہ والبطالانہ جو یعنی فون کا
 مفعول مقار فاعل اس کا بتا دیا۔ اور یلو کون جس کے معنی ہیں
 چبانا آپ اس کا ترجمہ کرتے ہیں بولنا۔ اور یعنی فون جس کے معنی
 اس جگہ ہیں ملائیے۔ آپ اس کا ترجمہ نسبت کرنا بتلاتے ہیں۔
 کہیں فعل کو یہ فاعل کر دیا۔ اور کہیں فاعل کو مفعول اور مفعول کو
 فاعل بتایا۔ ترکیب اور معنی اور ترجمہ الفاظ سب کا اس کر دیا۔
 اور سب سے عجیب یہ ہے۔ کہ عباد (جو بمعنی بندوں کہتے ہیں)
 کا ترجمہ اخراج سے کیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اگر تو کہے کہ یعنی اتفاقاً وقوع
 میں آتے ہیں۔ ان لوگوں سے جو چبا کر (بگاڑ کر پڑھتے ہیں) اسماء
 الہی کو اور ملائے ہیں ساتھ اس کو (اسماء) ہلے دینوں اور گراہوں
 کے امور خوارق عادت (جو کرامات سے مشابہ ہوتے ہیں) مجھے
 اس وقت یہ مثال یاد آئی اونٹ کی کون سی کل سیدھی ملا صاحب
 کے مسائل اجتہادی اور عبارتوں کے ترجمے اور انشاء اور
 املا بجائے خود سب عجیب ہیں۔

بد عادتوں کے دریاؤں میں غوطہ کھانے والے ہیں۔ ایسے لوگ جو اللہ کو ایک سجدہ نہیں کرتے۔ اور اس اکیلے کا نام نہیں لیتے ناظرین غور کریں۔ جو اس عبارت اور مضمون کا (جو ذکر نقشبندی سے پیدا ہوتا ہے) وہ سب شیطانی ہے۔ کہیں پستہ نہیں۔ مگر صاحب نے ایک مشہور رسالہ پر افترا کیے اپنے آپ کو اس مسئلہ کا مصداق بتایا ہے۔ دروغ گویم بر رویے تو۔ اور واضح ہو کہ مصنف رسالہ تطہیر الاعتقاد نے اس مقام میں ایک بڑی بھاری غلطی کھائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بغیر طلب اور دعا کے صرف اللہ اللہ کرنا داخل ذکر نہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ قرآن اور حدیث سے اس کا خلاف ثابت ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ قل ادعوا للہ او ادعوا للرحمن ایاما تذل بحوافلہم الا صما (الحسنی) کہہ تو پکارو تم اللہ کو یا پکارو تم یہ جن کو جس کو تم پکارو (سو بہتر ہے) پس اسی کے واسطے ہیں۔ اچھے نام اور فرمایا فاذا کم وقت اذکنز کہر پس تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ خدا کو یاد کرو۔ یا اللہ یا رحمن اور اللہ اللہ رحمن رحمن کہو۔ غرض اسماء حسنی سے یاد کرو اور پکارو یاد الہی کے سبب رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ مستقیل عبادت ہے۔ در دعا و استغفار علیحدہ چیز ہے حدیث شریف میں ہے کہ خدا کے ایک کم سو نام ہیں۔ جو شخص ان کو یاد کیے گا۔ داخل ہوگا جنت

ہیں اور صحیح مسلم میں ہے۔ (لا تقوم الساعة على احد لقول الله
 العشاء ان لوگوں پر قیامت نہ آئے گی۔ جو اللہ اللہ کہتے ہیں اگر
 محض خیر کا نام لینا اور اس کو یاد کرنا ذکر نہ ہو تا تو اس میں پر
 جنت کا وعدہ کیوں ملتا۔ اور قیامت جو عذاب الہی ہے ان
 پر سے کیوں نکالی جاتی۔ و صاحب (الیطہ یو محبوس
 في الحوت احب الينا منه۔

صفا الطحاوی ۱۲۱۔ اور دوسری جگہ رسالہ میں لکھتے ہیں۔
 کہ جو شخص یہ اعتقاد کرے۔ کہ اولیاء اللہ کے طریق ہیں۔
 سوائے طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (جیسے کہ نقشبندیہ
 وغیرہ کہتے ہیں) وہ کافر ہے اور اولیاء و شیطان ہے۔

وہ ایک بے شک ایسے اعتقاد والا شخص گمراہ ہے۔ مگر یہ
 کرام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں۔ ان کے محققین کی تصانیف کو دیکھو۔
 کہ کس قدر اتباع سنت میں تاکید فرماتے ہیں۔ اور مخالفانہ طریقہ
 نبویہ کو گمراہ بتلاتے ہیں۔ مرزا مظہر صاحب اور مجدد صاحب
 اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا محمد اسماعیل صاحب اسی
 تفرقہ کے ہیں۔ ان بزرگوں نے طریقہ خلافت سنت کو کیسا رد
 کیا ہے۔ اور اولا صاحب نے خود ان کی عبارتوں کو بطور سند
 ذکر کیا ہے۔ بالفرض اگر ایسا کلمہ کسی حباہل یا بلحاو نے منہ سے
 نکالا ہو۔ تو کیا ایک شخص کے گناہ کے بدلے ہم سب کو نیرا

کہیں گے۔ اور تمام قوم پر مواخذہ کریں گے۔ یہ انصاف سے
بعید ہے۔ **مغالطہ ۱۲۲** اور جبکہ فرماتے ہیں اور
کرامات میں استعانت لے جاتے ہیں۔ ذکر اللہ اور قراءت
قرآن سے اور صلوٰۃ اور دعا سے اور یہ لوگ استعانت پکڑتے
ہیں سماع اور تالیاں بجانے سے۔

ہدایہ۔ رسالہ فرقان کی عبارت جس کا مولا صاحب نے
حوالہ دیا ہے۔ ہم یہاں لفظ بلفظ نقل کر کے مولا صاحب کی لیاقت
اور دیانت کا ایک نیا نمونہ دکھاتے ہیں۔ صاحب فرقان لکھتے
ہیں۔ فاذا كانت لا تحصل بالصلوة والذكر وتذكر لولا
القربان والدعاء بل تحصل بها يحميه الشيطان كالـ
مستغاث بالخلقات او كانت مما يستعان بها على
ظلم الخلق وفعل الفواحش فهي من احوال الشيطانية
لا من الكرامات الرحمانية پس جب کہ خوارق عادت
کسی شخص کو نماز اور ذکر اور تلاوت قرآن اور دعا سے حاصل
نہ ہوں۔ بلکہ ایسی چیزوں سے حاصل ہوں جن کو شیطان پسند
کر لیتا ہے۔ جیسے کہ مخلوقات کو پکارنا۔ یا اس قسم کی چیزیں جن
کے ذریعہ سے خلق اللہ پر ظلم کیا جائے۔ اور بے حیائی و فروع
میں آئے۔ پس یہ خرق عادت حالات شیطانی سے ہوتے کرامات
روحانی سے نہیں۔ ہم افسوس کرتے ہیں۔ کہ روایت کے لئے مولا صاحب

ہر خیر و شر کے ارتکاب کے واسطے تیار ہیں۔ کسی چیز سے پرہیز نہیں۔ کویت یا بیچارہ سید کہ تحریف اور افتراء جو سنت الہیہ سے اختیار کی شاید اس ہدایت کے مطالعہ سے کوئی وہم کوئے کہ راقم کے نزدیک سماع اور تالیف بجانے سے استعانت حالات اور کرامات پر جائز ہے۔ لا واللہ ہرگز ہرگز یہ بات نہیں بلکہ فقط مصنف کی تحریف اور افتراء ظاہر کرنا مراد ہے۔ ورنہ اصل مجوز سماع اور راگ تو خود ہی مہذب ہے۔ جیسا کہ عنایت میں حافظ ابن قیم پر حریت راگ میں طعن کیا ہے۔

مغالب طبع علیہ اور اپنی جان اور مال اس پر قربان کیے۔ اور مال و جان سے اس کا تقرب حاصل کیے اور اس کی حقیقت کو خدا کی خفگی خیال کرے۔ الی قولہ اور کویسوں سے اس کی زیارت کو آوے۔ الی ان قال یہ محبت ہے شک مشرک جلی ہے۔ ہل اریحہ۔ جان اور مال سے نیکوں کی خدمت کرنی اور بد نیت رضا مندی الہی کے ان کی رضا قبولی کرنی اور ان کی ایثار سانی کو باعث خفا بہ الہی سمجھنا عین ایمان ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ من عادی لم یألف قد یألف بالمعرب جس نے میرے دوست سے دشمنی کی پس تحقیق نکلا وہ میری لڑائی کو اور آنحضرت فرماتے تھے۔ ان من الناس علی فی ماله ونفسہ ابداً بکسر تحقیق لوگوں میں سے مجھ پر ہمت احسان

کرنے والا اپنے مال اور حبان سے ابو بکر ہے۔ اور دارمی میں ہے۔ کہ ابو بکر صدیق نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ بل نقد یاث بآبائنا وامهاتنا وانفسنا وامولنا ہم اپنا مال و حبان آپ دادے آپ پر قربان کرتے ہیں۔ اور ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلیمان فارسی اور صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم کو ابوسفیان ملا صحابیوں نے اس کو دیکھ کر کہا۔ کیا خدا کی تلواروں نے نہیں لیا۔ دشمنان خدا کی گردنوں کو ابو بکر صدیق نے یہ بات سن کر کہا تم قریش کے سردار کو ایسی سخت بات کہتے ہو۔ پھر ابو بکر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سب قصہ سنایا۔ آنحضرت نے شکر فرمایا۔ **لعلکم اغضبتہم** لائ کنت اغضبتہم لقد اغضبت مرابط شاید تو نے ان کو غصہ دلایا ہے۔ اگر تو نے ان کو غصہ دلایا ہے تحقیق تو نے اپنے پروردگار کو غصہ دلایا ہے۔ پس ابو بکر ان کے پاس آئے۔ اور کہا اے بھائیو کیا میں تم پر خفا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ خدا تجھ کو مغفرت کرے۔ ان روایتوں سے صاف ثابت ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی خدمت میں سعادت ہے۔ اور ان کے رنج کرنے میں دین اور دنیا کی برابری مصنف صاحب اب کہہ صحابہ کرام کے حق میں (جو مال و حبان رسول اللہ پر قربان کرتے تھے) کیا فتویٰ دو گئے اور رسول اللہ کے باب میں

(جو فقراء و صحابہ کے حق میں فرماتے تھے۔ ان کو غصہ دانا پروردگار کو غصہ دانا ہے) کیا حکم جاری کرو گے۔ آپ کی تحریر کی رو سے تو معاذ اللہ وہ بھی ہشربٹھہرے۔ کاش آپ یہ رسالہ نہ بناتے اور اہل بصیرت جو صد ہا کورس سے اہل اللہ کی خدمت میں آتے ہیں۔ ان کی یہ غرض ہے۔ کہ طریقہ انابت اور خشیت اور احسان کا سیکھیں۔ اور علم باللہ حاصل کریں۔ اور طلب علم کے لئے سفر کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ہر غافل علم اللہ ظاہر ہے کہ شہر رحمان کیسے جگہ تین مکاتیب کے سوا نہ کرو۔ مگر جو شہر رحمان صریح مجاہد ہے۔ اور شہر رحمان نے اجازت دی ہے جیسا سفر حج و تجارت و طلب علم۔

صدقہ ایک۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کہ علم دو قسم پر ہے۔ علم باللہ۔ اور علم بالاحکام۔ علم باللہ (معرفة و خشیت الہی) انسان کو فائدہ بخشتا ہے۔ اور محض علم احکام (فرض و واجب حرام و حلال کی واقفی بغیر پہچاننے عظمت الہی کے) خدا کی محبت ہے۔ بنی آدم پر انما بنخشى الله من عباده العلماء خدا کے بندوں میں سے خدا کا خوف وہی کرتے ہیں۔ جو علم و معرفت و معرفت و معرفت ہیں۔ من هو قانت آناء الليل ساجداً وقائماً يحذر الالهة ویرجو رحمت ربہ قل هل يستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ پہلا جو بندگی میں لگا ہے۔ اوقات شب میں سجدے

کرتا ہے۔ اور کھڑا رہتا ہے۔ خوف کرتا ہے۔ آخرت کا اور امیدوار
 ہے۔ اپنے رب کی رحمت کا تو کہہ بھلا برابر ہو جائیں گے۔ سمجھ والے
 اور بے سمجھ پروردگار نے ان لوگوں کو عالم اور سمجھ والے کہا ہے۔
 جو شب خمیر عابد متقی ہیں۔ اور جن میں یہ حقیقتیں نہیں۔ وہ اس ذمہ میں
 شمار نہیں ہوتے ان کے حق میں فرمایا وہ گدھے ہیں۔ کتابوں
 سے لے ہوئے کمثل الحمار یحمل اسفار چارہ پائے برو
 کتابے چند۔ گدھا کتابوں کا بوجھ اٹھا کر عالم نہیں بنتا ایسے ہی
 عالم بے عمل جس کو پرہیز گن کر خوف و خشیت نصیب نہ ہو وہ
 عند اللہ عالم نہیں کہلاتا۔ احکام شریعت سے واقف ہو کر جو سنگ
 کی طرح نفوس کی پیروی کرتے ہیں۔ اُن کے حق میں وہ کتے کی
 مانند ہیں جیسا کتا اپنی مقتضائے طبیعت کے سبب ہر وقت
 لاپتہ رہتا ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنی بد عادت کے سبب ہر دم نافرمانی
 کرتے ہیں۔ فمشلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او
 تترکہ یلہث اصل علم معرفت خوف خشیت الہی ہے۔ جو اس
 میں کامل ہیں۔ وہ اس فن کے استاد اور معلم ہیں۔ جیسا علم احکام
 حدیث و فقہ پڑھنے کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ ویسے تحصیل
 معرفت اور خشیت کے واسطے سفر کرنا لازم ہے۔ ابوالدرداء رضی
 اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم آنحضرت کے ہمراہ تھے۔ آپ نے آسمان
 کی طرف نظر کی اور فرمایا ایسا وقت آنے والا ہے۔ جو لوگوں میں

سے علم اٹھایا جائے گا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی ان کے قبضہ میں نہ رہے گا۔ زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ رسول اللہ کس طرح علم عباتا رہے گا؟ ہم نے قرآن پڑھا ہے اور آئندہ اپنے بال بچوں کو پڑھائیں گے۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ آپ نے فرمایا تجھ کو روئے تیری ماں، اسے زیاد ہم تجھے مایہ بنہ والوں میں سے دانشمند جانتے تھے۔ (پھر تو ہماری بات نہ سمجھا) یہ ہیں اور ابیت و انجیل یہود اور انصاری کے پاس۔ پس ان کو ان کتابوں سے کیا نفع ہے حدیث کا راوی کہتا ہے۔ پھر مجھے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا اتفاق ہوا۔ ان سے میں نے ذکر کیا ابو الدرداء ایسا فرماتے ہیں۔ عبادہ نے کہا ابو الدرداء سچ کہتے ہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے بتلا دوں۔ وہ علم جو لوگوں میں سے پہلے پہل اٹھایا جائے گا۔ وہ خشوع (خوف الہی) ہے۔ اور قریب ہے۔ وہ حالت کہ تو جامع مسجد میں جاوے اور کسی شخص کو حالت خشوع میں نہ دیکھے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے۔ کہ الفاظ اور معنی کی واقفیت علم نہیں خوف خدا و معرفت الہی کو علم مقبول کہا جاتا ہے فلا صاحب اس واسطے فرماتے ہیں۔ کہ بزرگوں کے پاس جانے سے جو کچھ ہم سے زیادہ پڑھے ہوئے نہیں کیا فائدہ بلکہ یہ کفر اور شرک ہے۔ میں کہتا ہوں اگر آپ ظاہر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ

سے بھی خبردار ہوئے۔ تو اس علم کے متکرم ہو کر آیات اور احادیث کا مقابلہ نہ کرتے۔

مخالطہ ۱۲۳۔ اور موطا میں جو حدیث ہے ابو ہریرہ سعید بخاری کو ملا۔ **حدیث ۱**۔ ملا صاحب کے جو اس خمسہ میں خلل آگیا ہے۔ ایک چھوٹا سا فقرہ اور اس میں بھی غلطی کھائی۔ آپ فرماتے ہیں۔ ابو ہریرہ ابو سعید کو ملا۔ اور حوالہ موطا پر کرتے ہیں۔ حالانکہ موطا میں یوں ہے۔ کہ ابو ہریرہ بصرہ بن ابی بصیرہ کو ملا۔ ابو سعید کا نام و نشان اس جگہ میں نہیں۔ مصنف کا عجیب حال ہے۔ نقل اور حوالہ اور نسبت اور املا چاروں غلط اور اس لیاقت پر اجتہاد کا دعویٰ۔

مخالطہ ۱۲۴۔ **روافی الاحیاء و ذہب بغض اعداء العلم الی الاستدلال بہ علی المنع من الرحلة زیارة المشاہد و قبور العلماء و الصالحین میرے مطلب کو اتنی عبارت ہی کفایت کرتی ہے۔ کہ بعض علماء میرے موافق ہیں۔ اور اس حدیث سے استدلال پکڑتے ہیں۔ اور سفر کرنے زیارت قبور اور زیارت صلحا کے کہ مشاہد کے لفظ میں جو جمع ہے مشہدہ لکھی اور قاسموس میں مشہدہ کے معنی محضر الناس لکھا ہے۔ اس میں داخل ہے۔**

حدیث ۱۔ ہم نے تسلیم کیا۔ جو صاحب قاسموس نے لفظ

مشہدہ کے معنی محضر الناس لکھے ہیں۔ اور محضر ظرف مکان ہے
یعنی ایسی جگہ جہاں لوگ جمع ہوں۔ پس جس مکان کو لوگ
متبرک سمجھ کر زیارت کو آویں۔ جیسے کسی پیر کی درگاہ یا کسی
شیخ کا حید وغیرہ وہاں سفر کرنا بے شک بعض علما منع لکھتے
ہیں۔ مگر کسی عالم یا شیخ کی ملاقات کے واسطے سفر کرنا کسی کے
نزدیک ناجائز نہیں۔ شیخ اور صوفی کوئی مکان نہیں ہے۔ جن
کی زیارت کی ممانعت لفظ مشاہدہ سے آپ نکالتے ہیں۔ دیکھو
شہر طوس بہ سبب قبر امام علی رضا کے مشہد کہلاتا ہے آج
نکاح کسی نہ تارہ شخص کو کسی نے مشہد نہیں کہا واللہ اعلم آپ
تعصب سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یا مقتضائے اجتہاد یہی ہے۔
ادیر علماء یہ بات ہے۔ کہ جن کے قول سے آپ سند پکڑتے
ہیں۔ انہوں نے بصراحت تمام قبور اور مواضع فاضلہ کی زیارت
کو مکروہ کہا ہے۔ چنانچہ مجمع البحار اور فتح الباری میں ہے۔
اختلف فی شدہا الی قبور الصالحین والی المواضع الفاضلہ
فیخرج ویلیح قال الشیخ ابو محمد الجونی یحرم عمل و بظاہر الحدیث
و اشار القاضی حسینی الی اختیارہ و یہ قال عباس و طائفہ
قبور صالحین اور مواضع فاضلہ کی طرف سفر کرنے میں اختلاف
ہے۔ بعض علماء اس کو حرام بتلاتے ہیں۔ اور بعض مبارح ابو محمد
کہتے ہیں۔ کہ نظر بظاہر حدیث کے یہ سفر حرام معلوم ہوتا ہے۔ اور

قاضی حسین نے اسی مذہب کے پسند ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور قاضی عیاض اور ایک طائفہ علما کا اسی مذہب کا قائل ہے اس عبارت سے امام غزالی رحمۃ اللہ کے قول کا مقصود صاف ظاہر ہوا کہ مراد یہ تھا کہ اسے مکانات متبرکہ ہیں۔ یعنی کسی مکان کو متبرک سمجھ کر وہاں جانا منع ہے۔ علماء اور صلحاء کی زیارت کا وہاں ذکر نہیں۔ مانعین سفر کے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ هذا الحديث لا يتناول السفر الى الامكنة التي فيها الالوان والعلماء والمشايخ والاخوان وبعض المقاصد من الامور الدنيوية (المباحة) اس حدیث میں وہ سفر داخل نہیں۔ جہاں اپنے والدین یا علماء اور مشائخ اور اپنے بھائی ہوں۔ یا جس جگہ اپنی دنیاوی غرضیں ہوں۔ جن کا حاصل کرنا مباح ہے۔ دیکھئے یہ بزرگ تو زیارت علماء اور صلحاء کے واسطے سفر کی اجازت دیتے ہیں۔ اور آپ لفظ مشاہد کے غلط معنی بتلا کر لوگوں کو روکتے ہیں۔ اور ناحق ان آیات دین پر افترا کرتے ہیں۔ مستکتب شہادۃ تھم و سئل عن معالطہ ۱۲۔ اور وہ حدیث جو مسلم میں مروی ہے۔ کہ ایک شخص دوسرے قریب میں اپنے بھائی کی ملاقات کو گیا تھا۔ فرشتہ نے اس کو کہا۔ کہ اللہ تجھ کو دوست رکھتا ہے۔ اس حدیث سے تو اول سفر ہے۔ نہیں معلوم ہوتا

جائزہ ہے۔ کہ قریہ قریب قریب ہوں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔
فقہ اسی۔ بالفرض بستیاں قریب قریب ہوں۔ تاہم
 اس آمدورفت کو سفر کہیں گے۔ کیوں کہ آپ کے نزدیک
 تو سفر کی حد مقرر نہیں۔ قریب بعید یکساں ہے۔ اور امام
 ابن قیم کہتے ہیں۔ کہ بہت سلف کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور
 صبیح حدیثوں سے بھی کوئی حد ثابت نہیں ہوتی۔ پس آپ
 کا یہ عذر بالکل فضول ہے۔

مغالطہ ۱۴۸۔ دوم یہ کہ بھائی اس کا حقیقی ظاہر
 بھی ہے۔ ظاہر سے عدول کیوں کیا جاوے۔ اور صلہ رحمی کا
 واجب ہے۔ اگرچہ شد الرحال سے بھی ہو۔

فقہ اسی۔ اگر وہ شخص حقیقی بھائی کی ملاقات کو جانتا تو
 (اصلہ) کہتا یعنی میں صلہ رحمی کے لئے جاتا ہوں۔ حالانکہ اس
 نے (اجتہاد فی اللہ) کہا یعنی میں اس سے حب اللہ رکھتا
 ہوں۔ اس لئے زیارت کو جاتا ہوں۔ اور فرشتہ اس کو اس
 عمل کی خوشخبری دینے نہ آتا۔ انسان کو اپنے رشتہ داروں
 سے طبعی محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکثر فاسق و فاجر اپنے اقربا
 سے محبت طبعی رکھتے ہیں۔ اس جہت سے وہ ایسی جزا کے
 مستحق نہیں ہوتے بالفرض ہم نے تسلیم کیا۔ کہ وہ دلوں حقیقی
 بھائی تھے۔ مگر ملاقات کی علت تو صلہ رحمی بیان نہیں کی بلکہ

حَدَّثَنَا الشَّاذِلِيُّ - اور فرشتہ نے بھی جب خود بخبری دی۔
 تو یہ وجہ بتلائی کہ حَدَّثَنَا الشَّاذِلِيُّ کے سبب خدا را ضعی ہے۔ اس
 کے سوا اور کوئی وجہ بیان نہیں کی اور حسب اللہ میں خود لاش اور
 بیگانہ سب برابر ہیں۔ غرض بہر طور اس حدیث سے بھائی
 مسلمان کی ملاقا بات کے واسطے سفر کر کے جانا ثابت ہوتا
 ہے۔ اپنے بیگانے کا کچھ فرق نہیں۔

مفہم الطہارۃ - اور بعض لوگ جو حدیث شد المیال پر
 کلام کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ قاعدہ نحو کا ہے کہ مستثنیٰ منہ
 جنس قریب ذکا لنی چاہیے۔ اور جنس قریب سیاق کلام میں
 مسجد ہے یعنی حدیث کے معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شد
 حال نہ کر والا ان تین مسجدوں کی طرف اس کا جواب یہ ہے۔
 کہ قاعدہ غلط ہے۔

حدیث ابیہ - قاعدہ کو غلط بتلا کر فارغ ہو بیٹھے۔ دیکھئے اس
 حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں جس میں مستثنیٰ منہ لفظ مسجد
 موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل باسناد حسن اپنی سند میں روایت
 کرتے ہیں۔ لا یتبعی للمطی اب تشدد حالہ الی مسجد
 یتبعی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والاقصی مسجد
 ہذا نہیں لائق سوارہ یوں کے زمین کیسے چاہیں طرف کسی
 مسجد کے اس غرض سے کہ اس میں عبا کر نماز پڑھیں۔ سوائے مسجد حرام

اور مسجد اقصیٰ اور اس میری مسجد کے۔ بالفرض اگر ہم ملا صاحب کا طریقہ اختیار کریں۔ اور مستثنیٰ منہ لفظ مکان نکالیں تاہم علماء اور مشائخ اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اور بموجب فتاویٰ نحدیوں کے جنس بعید اگر مراد لیں۔ تو بھی لفظ مکان مستثنیٰ منہ ہوگا۔ اور لفظ شبہا ہرگز نہ ہوگا۔ کیوں کہ رعایت جنس کی واجب ہے۔ مطلب بر تقدیریں علماء اور مشائخ داخل نہ ہوں گے۔ کیوں کہ وہ غیر ہیں مسجد اور مکان سے۔

مغالطہ غلط۔ کئی مکانوں میں کلام اللہ میں مستثنیٰ منہ اگر جنس قریب نکالیں۔ تو معنی صحیح نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ادیعام الغیب الاولیٰ۔

حدیث اولہ۔ ملا صاحب آیت قرآنی تو اس طرح پر نہیں سمجھتے تو اللہ سے خوف کرو۔ روایت کے واسطے کس قدر بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہو گئے۔ کبھی غلط حوالہ علماء پر دیتے ہو۔ اس پر بھی قناعت نہیں کی اور خود حدیث بنا کر یہ رسول اللہ کی طرف منسوب کر لیا۔ اس پر بھی آپ سے صبر نہ ہوا۔ قرآن مجید میں کمی و بیشی کرنے لگے۔ (عجوز بلک من فی علمہ لا یلفع و قلب لا یشع و دعاء لا یسمع آیت قرآنی یہ ہے۔ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الاولیٰ اور یہ آیت اس بحث سے لائق نہیں رکھتی۔

کیوں کہ اس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہے۔ اور ہماری گفتگو
مستثنیٰ مفرع میں ہے۔

مرفا الطہ ۱۳۱۱ و دوسری آیت وما یقظر دھرا
الا صیحة واحدة یہاں جنس قریب صیحة ہے مگر اس
کے معنی کچھ نہیں ملتے۔ ضرورتاً شیا بھی ہے مقرر کرنا پڑے گا۔
ہذا یہ۔ اللہ جل شانہ نے بہت سے معجزے اور

نشانیوں دکھائی ہیں اور کفار پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تب
پروردگار نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ما یقظر دھرا
صیحة واحدة یعنی یہ لوگ معجزات اور آیات دیکھ چکے
اب اور کچھ باقی نہیں۔ سوائے ایک سخت آواز کے۔ جو

بچ میں دم نہ لے گی۔ (اس سے مراد پتے لفظ صواب) پس معلوم
ہو کہ مستثنیٰ منہ آیات ہیں جو جنس قریب ہے اگر آپ بھی
نظر انصاف سے دیکھیں۔ تو ایسا سہل مسئلہ سمجھ سکتے ہیں۔
مگر تعجب ہے آپ کو بالکل کوران ہوا دیا۔

مرفا الطہ ۱۳۱۲ جو شخص یہ کہے کہ میں کہیں اس شخص کے
پاس آیا ہوں۔ تاکہ اس کی عادت و اخلاق دیکھوں اور
اس پر عمل کروں۔ وہ مشرک فی الرسالہ ہے۔

ہذا یہ۔ متعلہ لیل ای حدیث قدانیت، وای
غریم فی التقاضی غریمہا۔ اے اہل اسلام اللہ اور رسول

کے حکموں کو دیکھو۔ اور اس معاملہ کو طے کر فوری صاحب
 کی ریاست اور علم کا اندازہ کرو اللہ جل شانہ فرماتا ہے حوائج
 سبیل من افاب الی تویری کو اس شخص کی جو رجوع ہوا
 ہے۔ طرف میری اور جامع طرف ہی ہیں ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔
 ولھتد واجھدی عمار روض اختیار کرو۔ تم لوگوں عمارت کی اور
 فرمایا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر اقتدوا کہو
 تم ان دو شخصوں کی جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے۔ ابوبکر اور عمر
 اگر کسی شخص کو صالح اور دیندار جانکر اس کی اقتدا اور پیروی
 کرنا شرف ہے۔ تو کیا مراد اللہ اللہ اور اس کے رسول نے
 ہم کو مشرک نہ کیا ہے۔ تمہارا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جس کو ہم
 پیغمبر خدا کے سوا پیشوا پکڑیں گے۔ وہ شخص خود معصوم نہیں اور
 جب اس کی عصمت کا یقین نہیں۔ تو یہ غالب احتمال ہے کہ وہ
 کسی کام میں خطا کرے اور ہم اس کی پیروی کے باعث ناجی مخطار
 اور گنہگار ٹھہریں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پروردگار بندوں کا
 حال خوب جانتا ہے۔ اور پیغمبر خدا تم سے زیادہ شراعت کو سمجھتے
 ہیں۔ جب اللہ اور رسول نے سوائے انبیاء کے اور نیک بندوں
 کی اقتدا کا حکم فرمادیا۔ تو اب عذر کرنا اور شبہ و الشان
 اسلام سے بعید ہے۔ دیکھو تم دیکھو جو خدا کے منقریب بندے
 ہیں۔ ان کو اس درجہ تک ترقی نصیب ہوتی ہے کہ پروردگار ان کو

نہ مطلق کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی جگہ پر اعتراض کئے۔
 ہدایہ۔ ملاحظہ فرمائی حضرت رسالت مآب کو ہر بات میں
 پیشوا نہیں سمجھتا۔ کچھ اپنا بھی اختیار رکھتا ہے۔ اور ہم بجز جب اس
 آیت کے ماحکات المؤمن واد مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ
 امرات یکون لہم الخیرۃ من امرہم آنحضرت کو امام مطلق
 اور پیشوائے برحق جانتے ہیں۔ اور معاذ اللہ اس بات کو صحابہ کبار
 کی طرف نسبت کرتا ہے کہ وہ حضرت رسالت پر کئی جگہ اعتراض کیا
 کرتے تھے۔ پھر جو مثالیں لکھی ہیں۔ سوائے ایک مثال کے جس میں
 کچھ نمونہ اعتراض کا ہے۔ اور کوئی مطالبہ نہیں۔ ان مثالوں میں یہ
 ذکر ہے کہ بعض صحابہ نے بجا آوری حکم میں دیر اور غفلت کی۔ مثلاً
 صاحب کہتے ہیں کہ اعتراض کیا معذیم ہوا۔ کہ خود بدولت، مختلف
 اور اعتراض کو ایک جہل سمجھتے ہیں۔ یا لفرغ جس نے اعتراض کیا۔
 اس نے بڑی بہاری خطا کی۔ کسی کا منصب نہیں کہ امتی ہو کہ
 اپنے نبی پر اعتراض کرے۔

مرفا الط ۹ نمبر ۱۳۲۔ جیسا کہ روئے میں بیٹے کے مرنے پر لعنۃ اللہ علیہم۔
 ہدایہ۔ کل کرامات اعتراض کی یہ ایک مثال لائے۔ آپ
 ایمان سے کہو۔ کہ اس اعتراض میں کس کی غلطی تھی۔ معترض
 کی یا آنحضرت کی صحابی نے غلطی کھائی۔ حضرت کو روتے دیکھ
 کر آپ کی نسبت بے صبری کا گمان کیا۔ اور جو شبہ دل میں

آپاریے تکلف عرض کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ ہے صبری

تہیں بلکہ مصیبت زدہ کی

مصیبت، کو دیکھ کر رونا، ہوجمت ہے جس کو پیدا کرتا ہے اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں اور یہ شک پروردگار اپنے بندوں میں سے بہ رحم دل بندوں پر رحمت کرتا ہے۔ صحابی کی غلطی سے تسمیل پکڑنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کا فتوہ می بینا کس قدر بھاری غلطی ہے۔

صفا الطحاویؒ ۱۳۵۔ اور یہ قراری کرنے پر عرض مورت میں۔
 ہذا اب۔ یہ آپ کا قول خلاف واقع ہے۔ آنحضرت کو یہ قرند دیکھ کر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اگرچہ ہو تو کسی کتاب کا حوالہ دو۔

صفا الطحاویؒ ۱۳۶۔ اور زینب نے امر نکاح بہ
 ہذا اب۔ یہ فقہ مفسرین نے تفاسیر میں نقل کیا ہے ہم
 نہیں کہہ سکتے کہ صحیح ہے یا کھسا اگر صحیح بھی سمجھیں تو یہ پایا احباب
 ہے۔ کہ بی بی زینب نے حکم بجا لانے میں سستی کی۔ اور یہ نہیں
 کہ آنحضرت پر اعتراض کیا۔ اور اس سستی پر پروردگار نے سخت
 وعید فرمایا۔ اور یہ آیت نازل کی۔ وما کان المؤمن ولا
 مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم

الخبرۃ من امرہم ومن یعص الشہ ورسولہ فقد ضل
ضلوا عن صراط اللہ نہیں لالوچ کسی ایمان دار مرو یا عورت کہ جس وقت
حکم رکا چکیں اللہ اور رسول یہ کہ سمجھیں اپنے کاموں میں اپنا
اختیار اور جو شخص تا فرمان ہوا اللہ اور اس کے رسول کا پس
تحقیق گمراہ ہوا ظاہر گمراہی۔ پھر مفسرین لکھتے ہیں کہ بروی زینب
نے بعد نبی را سوس پخت کے عرض کیا۔ قد ائمتنا فافزع
فی ما ائمتنا قنہا زید امین آپ کی اطاعت کرنی
ہوں پس آپ جو چاہیں سو کریں۔ پس آپ نے زینب کا
انکار نہ دیا۔ ایک نودہ اہل ایمان تھے۔ جنہوں نے
اپنا جان و مال اسب اللہ اور رسول کے سپرد کر دیا تھا۔ اور
ہر وقت ہر معاملہ میں منتظر حکم رہتے تھے۔ ایک آپ بھی ہیں۔
جو لوگوں کو غلطی والہ دے کر مخالفت رسول کی رغبت دلاتے
ہیں۔ ص ۱۳۷۔ اخیر پیر نے بھی۔

حد اب۔۔ بریرہ کے معاملہ میں نہ آنحضرت نے حکم فرمایا۔
اور نہ پیر نے انکار کیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں اس کا صریح
ذکر ہے آنحضرت نے بریرہ کو فرمایا۔ اوس اجعلیہ اگر تو اپنے
شوہر کی طرف رجوع کرے۔ (تو مناسب ہے) قالت یا رسول
اللہ! تا مری اُس نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ مجھ کو (اس
بات پر) حکم کرتے ہیں۔ (اگر حکم ہو تو سر نہ کھوں پیر مجھ منطوی ہے)

قال انما اشفع فرمایا نہیں ہم صرف سفارش کرتے ہیں قالت
فلا حاجة لی فیہ بریرہ نے عرض کیا۔ تو مجھے اس مشورہ
کی ضرورت نہیں۔ **مخالطہ ۳۸**۔ اور حدیبیہ میں
قریبانی پر صلح کرنے پر۔

عہد آیا۔ اس معاملہ میں کسی نے اعتراض اور مخالفت
نہیں کی۔ بلکہ معاملہ مشوری طلب تھا۔ جیسا کسی کی رائے
میں آیا۔ ویسا عرض کیا۔ اور مشورت میں اہل مجلس پر لازم ہے۔
کہ جیسا خیال دل میں آوے۔ ویسا ظاہر کریں۔ ورنہ مشورت
سے فائدہ کیا۔ جنگ بدر میں قیدیوں کی بابت آنحضرت نے
مشورت کی سب نے یہ رائے دی کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا
جاوے۔ عمر فاروق نے سب کے برخلاف عرض کیا کہ تمام
قیدیوں کو ترغیب کیا جاوے۔ ایسا ہی مقام حدیبیہ میں آنحضرت
صلعم چاہتے تھے۔ مگر عمر فاروق نے ناپسند کیا۔ اور اس
مخالفت پر بڑا زور دیا اس امید سے کہ شاید میری رائے کے
موافق وحی آوے جیسا کہ بدر کے قیدیوں میں یہاں تک کہ
آنحضرت نے دشمنوں سے عہد و پیمان کر لی۔ اور ہدی کو قربانی
کے جانوروں کو جو بیعت الہیہ پہنچ کر ذبح کئے جاتے ہیں وہیں ذبح
کر ڈالا۔ تب اطمینان نے جانا۔ کہ اب حکم نافذ ہو چکا۔ مخالفت
اور انکار کی گنجائش نہیں۔ فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور قریبانی

کرنے لگے۔ پھر کسی طرح کی مخالفت نہ کی۔ حضرت عمر کو جب اپنی مخالفت اور اصرار کا خیال آتا۔ تو بہت ڈرتے۔ چنانچہ فرماتے۔
 ما زلت اصدق واصدق ما صلی والمتحق مخافة كلامي
 الذی نکلت به میں ہمیشہ صدقہ دیتا رہا ہوں۔ اور روزہ
 رکھتا ہوں۔ اور نفل پڑھتا ہوں۔ اور بردہ آزاد کرتا ہوں۔
 اس بات سے ڈر کر جو میں نے منہ سے نکالی تھی۔ تعجب ہے
 خود عمر رضی اللہ عنہ اپنے کو گناہ گار سمجھ کر کفارات دیتے رہتے۔
 اور مولا صاحب اسی بات سے استدلال کر کے آنحضرت پر
 اعتراض اور ان کی نافرمانی کو عباؑ نے بتلاتے ہیں۔ ناظرین
 اس ہماری تقریر کو غور سے سمجھ لیں۔ ایسے مغلطات سے
 بچنے کے لئے الشاء اللہ بہت مفید ہے۔

صفہ الطہ ۳۹۔ اور بخاری میں ہے۔ اسلم کی قوم آپس
 میں تیراندازی کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 کہ بنی اسماعیل تیراندازی کرو۔ اور میں فلانی طرف ہوں۔ فریقین نے
 تیراندازی چھوڑ دی۔ آپ نے پوچھا۔ کہ تم نے تیراندازی کیوں چھوڑ
 دی۔ کہا یا رسول اللہ کیوں کر تیراندازی کریں۔ حالانکہ آپ ان
 کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا تیراندازی کرو۔ میں دونوں کے ساتھ
 ہوں۔ امر مطلق و جوب کا فائدہ دیتا ہے۔ ان صحابیوں نے
 باوجود امر کے تیراندازی ترک کر دی۔ اور عذر پیش کیا۔ اور آنحضرت

نے ان کے ترک کی تقریر کی۔ تو معلوم ہوا کہ کل فصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریحی نہیں ہوتا۔

بعد ازیں تم جو کہتے ہو۔ فریقین نے تیر اندازی چھوڑ دی۔ یہ قول تمہارا سراپہ غلط ہے۔ صحیح بخاری میں یہ عبارت موجود ہے۔ فاصلاً احد الفرقتین پس تیر اندازی سے ترک کیا۔ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یعنی جب آنحضرت ایک طرف شامل ہو گئے۔ تو دوسری طرف والوں نے دیکھا۔ کہ اب بظاہر صورت آنحضرت سے مقابلہ لازم آئے گا۔ اور یہ نشان ادب سے بعید ہے۔ کمال ادب کے سبب ترک گئے۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ آپ گروہ مقابل کے ساتھ ہیں۔ ہم کس طرح تیر چلاویں۔ آپ نے ان کا عذر سن کر جس کے حرف حرف سے اخلاص پیکتا ہے۔ فرمایا تم تیر اندازی کرو میں دونوں کے ساتھ ہوں۔ اصل قصہ میں طرح ہے۔ جیسا ہم نے نقل کیا۔ مولوی صاحب نے اول تو واسطہ یہ چھوڑے بولا۔ (فریقین نے تیر اندازی چھوڑ دی) جن کے ساتھ حضرت شامل ہوئے تھے۔ ان کو تو کوئی عذر نہ تھا۔ ناحق ان کا نام بھی لے دیا۔ تاکہ صحابہ کا بلا عذر حکم نبی کو رد کرنا ثابت ہو جائے۔ اور یہی اس کا مقصد ہے۔ چنانچہ صاف لکھتا ہے۔ (تو معلوم ہوا کہ کل فصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریحی نہیں ہوتا) دیکھو یہ شخص

اپنی صحابہ کا دشمن کیسا دلیر ہے۔ افترا ہو یا اللہ اور رسول
 کی بے ادبی کسی بات سے نہیں چوکتا۔ اور اس مقام میں
 جو آپ نے تیر اندازی کا ارشاد کیا۔ اگرچہ یہ امر وجوبی نہ تھا۔
 ایک سرسری بات تھی۔ تاہم صحابہ کبار کبھی بجا اور جی میں نہ بہہ نہ
 کہتے۔ مگر چونکہ آنحضرت خود ایک فریق میں شامل ہو گئے تھے تو
 فریق مقابل عذر شرعی کے سبب مجبور ہو گئے۔ یہ ایسا عذر ہے کہ
 اگر امر واجب کو ایسے عذر کے سبب چھوڑ دیا جائے۔ تو عین
 ایمان ہے۔ حدیث احکام عذر کے باعث ترک کئے جاتے ہیں۔
 اور شارع کی طرف سے اجازت ہے۔ مثلاً قیام فی الصلوٰۃ
 بیماری کی حالت میں اور روزہ حالت سفر میں کیا۔ اس
 سے یہ لازم آئے گا۔ کہ پیغمبر خدا صلعم کے دین احکام یا تمام احکام
 مشروع نہیں ہیں۔ معاذ اللہ من ذلک بات انتی تھتی۔ کہ اس
 قصہ سے معلوم ہوتا ہے۔ شارع علیہ السلام کے تمام احکام واسطے
 وجوب کے نہیں ہوتے۔ بعض حکم استحبانا اور استحسانا ہوتے ہیں۔
 یا یوں کہتا کہ عذر شرعی سے ترک کرنا حکم کا جائز معلوم ہوتا
 ہے۔ مگر سچی بات ہے اس کا باطل مدعا حاصل نہ ہوتا تھا اس
 لئے نا حق کلام کو غول دیتا چلا گیا۔ اور خبیثہ اور متناقض کلام
 میں پڑا۔ مثلاً صاحب فرماتے ہیں۔ کہ چھوڑ دینا صحابہ کا تیر اندازی
 بہ سبب عذر کے دلیل ہے۔ اس بات کی کہ کل فعل رسول اللہ

کا تشریحی نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کے نزدیک
چھوڑ دینا امر شرعی کا یہ سبب عذر جائز نہیں تو آپ کا یہ
کہنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ و کل اہل اسلام سے
برخلاف ہے۔ اور اگر جائز ہے تو آپ کا استدلال غلط اور
لغو ہوا۔ کیوں کہ انہوں نے تو عذر سے چھوڑ دیا تھا۔ طرفہ یہ
ہے کہ آپ نے لکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کل
فعل رسول اللہ کا تشریحی نہیں۔ مثلاً صاحب یہاں تو فعل
کا ذکر نہیں۔ اگر یوں کہتے کہ کل امر رسول اللہ کا تشریحی نہیں۔
تو ایک بات تھی۔ شاید مصنف امر اور فعل کے درمیان فرق
نہیں کر سکتے۔ منصف حق پسند اس مثال میں غور سے تامل
کرے۔ کہ یہاں اعتراض صحابہ کون سا ہے۔ اور رسول اللہ کا
نامحذوف فعل کون سا۔ فہم نصیب نہیں۔ ناحق پیغمبر پر اعتراض
کرنے کا فتویٰ دے بیٹھا۔

صفا اللہ علیہ۔ اور مرض موت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کاغذ مانگا۔ کسی نے نہ دیا۔ اور کہنے لگے بحسب کتاب اللہ۔
ھذا اب۔ یہاں کسی نے عدول حکمی اور اعتراض نہیں
کیا۔ بکا خط اجتہادی (سمجھ کی غلطی) ہے۔ سرور کائنات
بیمار تھے۔ اور مرض کا غلبہ تھا۔ اس حالت میں آپ نے
ارشاد فرمایا۔ ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدًا۔

تم میرے پاس لاؤ (کاغذ و قلم) تاکہ میں لکھ دوں تمہیں ایسی
لو سنٹ جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ بعض صحابہ کو خیال آیا
کہ دین پورا ہو چکا ہے۔ اور اللہ کریم نے اتمام نعمت کر دیا۔ فقا
لو اما بشانہ اھجر استفہمۃ فذھبوا یدردون علیہ فقال
دعونی ہانی رواۃ قضا عنی پس لوگ آپس میں
کہنے لگے۔ اس وقت جناب کی کیا حالت ہے۔ کہیں عسایم
بیہوشی میں بھٹکتے تو نہیں۔ اچھی طرح آپ سے پوچھو اور سمجھو پس
لوگ بات کو الٹا الٹا کرنے لگے۔ دریافت کرتے پس آپ نے
فرمایا۔ چھوڑ دیجئے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ میرے پاس
سے اٹھ جاؤ۔ اور ان کے اس خیال کا منشاء یہ آیت تھی۔
الیرم اجملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت
لکم الاسلام دینا۔ پھر دوکار فرماتا ہے۔ آج کے دن میں پورا
کر چکا۔ واسطے تمہارے تمہارا دین اور کامل کر چکا تم پر اپنی نعمت
اور مذہب اسلام کو تمہارے واسطے دین پسند کر چکا۔ یہ آیت
پہلے اتر چکی تھی۔ اگر نظر انصاف سے دیکھیں۔ تو صداقت معلوم
ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ حکیم خدا اور رسول پر ایسے ثابت قدم
تھے۔ کہ ایک نیا حکم سن کر جو بادی النظر میں ان کو حکم سابق
کے خلاف معلوم ہوا، اپنے دل کی تسلی کے سوا ایک قدم
اگے نہ بڑھے۔ اور شبہ مثالی کی خاطر دوبارہ پوچھنا چاہتے

تھے کہ آنحضرت نے اس حکم کو ملتوی رکھا۔ اور حاضرین
 کو اٹھ جانے کا ارشاد کیا۔ چنانچہ عرف اور وق کے دل میں
 بھی خدشہ پیدا ہوا۔ اور ایسے حسب کتاب اللہ قرآن
 مجید ہمساری ہدایت کے واسطے کافی تھے۔ اور حاضرین مجلس میں
 سے بعض اصحاب اس خیال سے محفوظ رہے۔ اور اس موقعہ
 کو یاد کر کے (جو دوسروں کے تکرار کے سبب ان کے ہاتھ سے
 نکلے گا) بہت افسوس کرتے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ
 عنہما کہا کرتے۔ **التم التزمیۃ کل الوریۃ ما حال بیت**
رسول اللہ صلعم و بیت ان یکتب لہم ذلک کتاب
 بے شک رنج نہایت ورنہ کالنج اس چیز کا ہے جس
 نے آنحضرت کو تحریر سے روکا۔ صحابہ کبار سے جب اس قسم
 کی خطا سرزد ہوتی تو کبھی رب العالمین کی طرف سے ان
 کو سخت عتاب ہوتا۔ اور کبھی خود ہی اپنے قصود کو یاد کر کے تاوم
 ہوتے۔ اور مدت العمر نماز و روزہ صدقہ و خیرات سے اپنے
 گناہ کا کفارہ ادا کرتے۔ تم عجب مسلمان ہو۔ جن کا یہ اعتقاد ہے کہ
 پیغمبر خدا صلعم کے کل اخلاق اور افعال پسندیدہ نہیں اور
 رسول اللہ پر کوئی اعتراض کرے۔ تو جائز ہے۔ بیعت کی بحث
 میں سنت کے معنی تم نے ایسے بیان کئے تھے۔ جس سے سنت
 فعلی (جو کام آپ نے کیا ہو) اور سنت تقریری (جو کام کسی نے

آپ کے رویہ و کیا۔ اور آپ نے دیکھ کر سکوت فرمایا۔ انکار کا
پایا جاتا تھا۔ یہاں آکر مطلق سنت سے انکار کر دیا۔ چپ آپ
کے تمام اخلاق اور افعال پر ہل کا اطمینان نہیں تو انبیاء
کیسار اصل میں یہ سب خرافات ٹیچر لوں کے ہیں۔ مگر اس
تحریر سے ہمیں معلوم ہوا کہ مصنف نے بھی ان کی شاگردی
کی۔ اس لئے حوالہ بدندل۔

مخالفہ علیہ السلام۔ رسول اللہ نے خود فرمایا۔ انتم اعلم
بامور دینا کہم اور حدیث تاہیر میں ہے (انما انما لبشر اذا
امر فاکم لبشی موت امر دینکم فخذوا اذا امرتکم لبشی من
سرا لک فاما انما لبشر۔

اھد ایہا بن رواہیوں کو تمہاریسے مارو لے کچھ تعلق نہیں۔
تمہارا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ علیہ وسلم بعض اوقات
کیسی امر دینی کا حکم کرتے۔ اور اصحاب رضی اللہ عنہم اس پر
مقتضی ہوتے۔ دیکھو مقام حدیث میں قسربانی پر انکار کرنا اور
کاغذ قلم لانے کا حکم نہ ماننا۔ (جس کو تم بطریق مشال لائے ہو۔
دینی امر کا انکار ہے قسربانی اور نصیحت کہنی کوئی دنیاوی یا طبعی کام
نہیں پس ثابت ہوا۔ معاذ اللہ اصحاب نبی ہر ایک حکم شرعی
میں آپ کے تابع دار نہ تھے۔ اور یہی بات سکھانی چاہتے ہو حدیث
انتم اعلم بامور دینا کہم اور روایت اذا امرتکم لبشی

من مرآی میں صاف ذکر دنیاوی کاموں کا ہے۔ ان روایتوں سے یہ نہیں ثابت ہوتا۔ کہ آپ کے جملہ عادات و اخلاق پسندیدہ نہیں ہیں۔ البتہ یہ پایا جاتا ہے کہ تجارت و زراعت اور گری و آہن گری اور اسکے سوا جتنے دنیاوی کام ہیں۔ ان کے بارے میں انبیاء علیہم السلام سے زیادہ اپنے کاموں سے واقف ہیں انبیاء ایسے کاموں میں دخل نہیں دیتے۔ اور کبھی دنیا کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ وہ جس کام کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں۔ رات دن اسی میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ انجینئر نہ تھے۔ جو ہمیں سمارٹ کا ڈھنگ بتلاتے۔ ڈاکٹر نہ تھے جو ہمیں جراحی سکھلاتے۔ ہر فن میں جو زیادہ مشاق ہیں وہی استاد ہے۔ اگر کوئی اس سے یہ نتیجہ نکالے۔ کہ بس دینی معاملات میں بھی لوگ اور انبیاء برابر ہیں۔ تو کفر اور اسلام میں کیا فرق رہے گا۔

صغالیہ ۱۲۳۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے۔ تو اور کون شخص ہے جس کے اقوال و افعال و اطوار سب محمود ہوں۔ **ہدایہ**۔ جب تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال و افعال کو اچھا جانتے ہو۔ اور بعض کو ناپسند رکھتے ہو۔ تو پھر رسول کو رسول کہنے کی کیا حاجت ہے۔ جس کا تمام عمر میں خیال چین نیک نہ ہو۔ اس کی نبوت کیا ہے۔ مصنف صاحب آپ ایمان سے کہو کہ یہ بحث آپ

کی ضد کی رو سے ہے۔ یا سمجھ ہی اتنی ہے۔

فانکنت لا قدری قتلك مصيبة ۚ وانکنت قدری فالمصيبة اعظم
مغالطہ ۱۱۱۔ اور کئی برس اور کئی مہینے گھر بار چھوڑ کر
اس کے جوار میں ہیں۔

ہدایہ۔ صحابہ کبار میں سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں
نے تمام عمر گھر بار نہیں بنایا۔ رسول رب العالمین کی مسجد میں
اوقات زندگی بسر کی گوا چھا کھاتے اچھا پہنتے۔ اور یہ معتقدانِ بارگاہ
عالی بحالتِ فاقہ مستی دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر وہیں پڑے رہتے۔
تاکہ پیٹ بھر کر آپ کی صحبت کا فیض حاصل کریں۔ اور یہ معرفت
الہی سے مستفیض ہوں۔ ایسا ہی اس آخری زمانہ میں اگر کوئی
اس سنت پر عمل کیے۔ اور واسطے تحصیلِ علم باللہ کے کسی
عالمِ حقانی کی خدمت میں حبار رہے۔ تو بے شک عند اللہ
مستحقِ اجر اکابر ہوگا۔ البتہ جس کے ایمان میں خدو نہ ہو۔ یہ وہی اثر
فی سبیل اللہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ رب العالمین نے منافقوں
کے حالات نقل کئے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں۔ شغلنا احوالنا
واصلونا کبھی عذر کرتے ہیں۔ بیعتنا عورت و ماہی بعورتہ
ہمیں مال اور اہل و عیال کا فکر رہتا ہے۔ ہمارے گھر
کھلے پڑے ہیں۔ کوئی خبر گیر اور محافظ نہیں۔ افسوس کہ یہ افسوس
پیروانِ سنت پر اعتراض کرتا ہے۔ اور روشیں منافقین کی طرف

رغبت دلاتا ہے۔ **مخالطہ** **علیہ السلام**۔ اور یہ عذر ان کا کہ ہم
 مسائل پر چھٹے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ آپ بھی علم ولے ہیں اور
 قرب و جوار میں بھی عالم ہیں۔ پھر ان کا یہ کہنا بہتان ہے۔
ہذا **ابیہ**۔ یہ عذر ان کا اہل بصیرت کے نزدیک درست
 ہے جس علم کے وہ طالب ہیں۔ اس علم سے تم اور ہم جیسے
 عالم بالکل بے خبر ہیں۔ وہ علم ہمارے تمہاری صحبت سے ہاتھ
 نہیں لگتا۔ وہ اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس
 آخر زمانہ میں علم باللہ یعنی احسان اور اخلاص خلق اللہ میں سے
 ایسا اٹھایا گیا ہے۔ کہ اگر شاذ و نادر کوئی اس عالی رتبہ کو
 پہنچتا ہے۔ لوگ اس کو دیوانہ و مجنوں سمجھتے ہیں۔ خاص کر جن کو
 نیچر سے لگاؤ ہے۔ وہ تو منہ پھاڑ پھاڑ کر اہل اللہ پر اعتراض
 کرتے ہیں۔ اب ہم ناظرین کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔
 کہ **والا** قصوری نے دیباچہ میں وعدہ کیا تھا کہ میں ہر بات میں قرآن
 اور روایت صحیح یا حسن سے تمسک کروں گا۔ جوابات عشرہ اس کے
 ختم ہو چکے۔ اور بجائے قرآن و حدیث کے جو کچھ اس نے لکھا
 ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ پروردگار اس کو ہدایت کرے۔ اور ہمیں صراط
 مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

بحث الہام کی

مغالطہ ہے۔ الہام کے معنی لغت میں یہ ہیں۔ الہام چیز سے در دل انداختن و آنچہ خدا در دل اندازد۔ صراح۔ و یقال الہم اللہ خیر القنہ ایاہ قاموس۔ لغایت میں بعد تفحص کے معلوم ہوا۔ کہ الہام دل کے خیال کو کہتے ہیں۔

ہذا ہے۔ آپ نے صراح اور قاموس کی عبارتیں تو نقل کر دیں۔ مگر افسوس کہ مطلب نہ سمجھے۔ صراح میں لفظ (چیز سے) اور (آنچہ) موجود ہے۔ اس عبارت کے کیا معنی ہوئے۔ الہام کیا ہے۔ کوئی چیز دل میں ڈالنی۔ اور جو کچھ خداوند کریم کریم کے دل میں ڈالے۔ خواہ وہ خیال ہو یا کلام یا تحمد میشا واللہ اعلم آپ نے خیال کی خصوصیت کہ اس سے نکالی ہے۔ قاموس کی عبارت کو دیکھو۔ (یقال الہم اللہ خیر) کہا جاتا ہے۔ الہام کیا اللہ نے اس شخص کو بہتری کا (لقنہ ایاہ) سمجھا دیا یا سکھایا یا کہہ سنایا۔ اس شخص کو وہ کام۔ صاحب قاموس نے الہام کے معنی کئے ہیں۔ تلقین کے۔ اور غیاث اللغات پیر رہے۔ (تلقین) لہجہ تبدیل و تسلیم کر لینا۔ سمجھانا اور سکھانا (وما خیر از تلقین) پہلنے فہمیدن و گرفتن معنی از کسی، اور لفظ تلقین، لیا گیا ہے۔ تلقین سے

جس کے معنی ہیں۔ سمجھ لینا۔ اور حاصل کرنا۔ بات کا کسی سے اور
 قاموس میں ہے۔ التلقین التلقین کے معنی ہیں سمجھانا
 اور جمع البجاء ہیں۔ لقن اک فہم حسن التلقین لما للشیخ
 یعنی سمجھ وار اچھی طرح پانچاٹنے والا جس بات کو سننے۔ حدیث
 شریف میں ہے۔ لقنوا موتا کم لا الہ الا اللہ کہلو اور تم
 یا سکھلاؤ تم اپنے قریب الموت لوگوں کو لا الہ الا اللہ اور ایک
 روایت میں ہے۔ لقنوا موتا کم لیست سکھلاؤ تم اپنے مردوں کو
 سورہ یسین اور البورکسہ کی حدیث میں ہے۔ فذہبت حسن
 العفظ غنی حتی کنت القن فاتحۃ الکتاب پس حسابا
 رہا میرا حفظ یہاں تک کہ مجھے سورۃ فاتحہ کہلاتے اور
 کتب لغت میں لفظ القن کے معنی لکھے ہیں سمجھانا۔ تعلیم کرنا۔
 تلفظ کرنا۔ اور ان روایات میں جہاں لفظ لقنوا یا القن کا آیا
 ہے۔ پڑھانے یا سکھلانے کے معنی بن سکتے ہیں۔ اگر یہاں
 آپ کی طرح دل کے خیالی معنی کریں۔ تو کیا توجہ ہوگا۔ سورہ کو
 کلمہ لا الہ الا اللہ اور سورہ یسین کا خیال کرلو۔ اور سورۃ فاتحہ
 کا مجھے خیال کرایا حسابات مقاسمات صاحب آپ نے کون سی کتابوں
 کا تفحص کیا تھا۔ صراح اور قاموس کی عبارتت تو مفید مطلب ہے۔
 کوئی اور کتاب بتائیے۔ جس میں الہام کے معنی دل کا خیال لکھے ہوں۔
 مرخا لط۔ الہام کے معنی میں دعا اور ندا ماخوذ ہیں۔

ہدایہ۔ آپ نے قاموس کی عبارت کا حوالہ دیا ہے۔
 اور صاحب قاموس نے الہام کے معنی کئی ہیں۔ تلقین اور تلقین
 میں تکلم اور کلام بھی ہوتی ہے۔ اور تکلم اور کلام کو آوازہ و نداء لازم ہے۔
 پس آپ کہاں سے کہتے ہیں۔ کہ الہام کے معنی میں دعا اور ندا
 مانوڑ نہیں۔ الفاظ کا ترجمہ اجتہادی بات نہیں۔ کہ آپ اپنے اجتہاد
 سے جو چاہیں۔ یکہ دیں۔ یہاں کتب لغت اور محاورہ عرب کی
 سندرکار ہے۔ مغالطہ ہے۔ اور کسی لغت میں نظر
 نہیں آیا جو شخص یہ کہے۔ کہ مجھ کو الہام ہوا۔ کہ یہ بات کر اور میں نے
 جواب دیا۔ کہ کس طرح کروں۔

ہدایہ۔ چشم بد دور کیا عجب عبارت ہے۔ ہر چند فکر کیا۔
 کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جملہ اول اور کسی لغت میں نظر نہیں آیا
 اگر اس کو پہلی عبارت سے ربط دیتے ہیں تو اگلی عبارت (جو
 شخص یہ کہے کہ مجھ کو الہام ہوا۔) ناتمام رہی جاتی ہے۔ لفظ
 (جو) موصول متضمن معنی شرط چاہتا ہے۔ جزا کو اور یہاں جزا کا
 پتہ نہیں۔ اور اگر جملہ اول کو عبارت مابعد سے ملا کر کل مغالطہ کی
 عبارت کو ایک بنادیں۔ تو یہ معنی ہوتے ہیں۔ (کسی لغت و لہجے
 نے کسی صاحب الہام کا یہ قصہ نہیں لکھا۔ کہ تو یہ بات کر اس
 نے کہا میں کس طرح کروں۔ اور تمام عبارت بالکل لغو اور بوجھ ہو
 جاتی ہے۔ اہل لغت معانی الفاظ بیان کیا کرتے ہیں۔ قصہ خوانی

ان کا کلام نہیں۔ الہام کی حکایتیں اور اس کے اقسام اور کیفیتیں وہی لوگ بتلا سکتے ہیں جو صاحبِ حال ہیں۔ واضح ہو الہام کے چند اقسام ہیں۔ ایک تحدیث یعنی وہ کلام جو پردہ غیب سے نازل ہوتی ہے۔ پس اگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو۔ تو اس کو اصطلاح شرعی میں وحی کہتے ہیں۔ اور اگر اولیاء اللہ پر نازل ہو۔ اس کو تحدیث کہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لفظ وہی مورد کے اعتبار سے جداگانہ معنی رکھتا ہے۔ اگر سوائے نبی کے اور کسی طرف وحی کی نسبت کی جاوے۔ تو اس جگہ الہام مراد ہوگا۔ چنانچہ اس آیت میں واذا وحیت الی الخوار بیت ان امنوا بی وبلی جس وقت الہام کیا ہم نے حوالہ یوں کی طرف کہ یقین لاؤ تجھ پر اور میرے رسول پر اور اس آیت میں واوحینا الی ام موسیٰ ہم نے الہام کیا موسیٰ والدہ کو۔ چونکہ یہ لوگ نبی نہ تھے۔ اس واسطے ان آیتوں میں وحی کا ترجمہ الہام کیا جاتا ہے۔ اور ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث الا یدہ اور ہمیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی اور نہ صاحبِ الہام آخرایت تک اگرچہ لفظ محدث ہماری قراوت متواتر میں نہیں مگر علماء کے نزدیک قراوت غیر متواتر خبر مشہور کا حکم رکھتی ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے۔ قد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یشاء فی امتی احد فمیر

یہ شک پہلی امتوں میں صاحب الہام تھے پس اگر میری اُمت
میں کوئی ہوگا۔ اس امر حدیث میں تحدیث کی قسم کا بیان ہے۔
تحدیث کے معنی میں بات کرنی پس ثابت ہوا کہ صاحب کو غیب
سے کلام سنائی دیتی ہے۔ مگر صاحب جو الہام کو محض خیال بتاتے
ہیں۔ بالکل غلط ہے۔

قسم دوم :- زبانی فرشتہ متشکل بشکل بشر سے کلام سننا جیسا
کہ مریم علیہا السلام کے حق میں فرمایا فارسلنا الیہا روحنا المتینا
پس ہم نے بھیجا مریم کی طرف اپنی روح (جبرئیلؑ) کو آیتوں کے
آخر تک واذا قالت الملائكة بحسبیم ان اللہ بشرک حبس
وقت کہا فرشتوں نے تحقیق اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھ کو واذا قالت
الملائكة بحسبیم ان اللہ اصطفاک اور جس وقت کہا فرشتوں
نے اے مریم تحقیق اللہ نے برگزیدہ کیا تجھ کو اس قسم کے الہام
کو اصطلاح قوم میں خطاب ملکی بھی کہتے ہیں۔

تیسری قسم :- الہام کی یہ ہے کہ صاحب الہام کے دل سے خود
بخود ایک بات بوحش مارتی ہے۔ اور اس کی زبان پر آتی ہے اکثر
ایسی بات بھی منہ سے نکلتی ہے کہ پیشتر اس کو یاد نہ تھی۔ بلکہ
اس کا علم نہ تھا بحقیقت میں وہ کلام غیبی ہوتی ہے۔ خیالات
نفسانی نہیں ہوتے۔ قسم سوم کا الہام باعتبار مورد کے دو قسم
ہے۔ اور ہر ایک قسم کا جدا جدا نام ہے۔ اس قسم کا الہام اگر

نبی کو ہو۔ تو اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں۔
 ان الروح القدس نفث فی روح القدوس نفث فی روح
 پہونکا جبریل نے میرے دل میں اگر کسی اور شخص کو ہو۔ تو اس
 کا نام نطق سکینہ ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کہتے ہیں۔ صاکنہ بعد ان
 انسکینہ تنطق علی لسان عمر و قلیہ ہم بعید نہ سمجھتے اس
 بات کو جو سکینہ گویا ہوتا ہے۔ عمر فاروق کی زبان اور دل پر یعنی
 عمر کی بات سن کر ہم یوں لگے ان کرتے ہیں۔ کہ یہ شخص اپنی طرف
 سے نہیں کہتا۔ بلکہ الہام ربانی سے کہتا ہے۔ شارحان حدیث سید
 طیبی۔ صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ سکینہ اس شے کا نام ہے۔ جو
 صاحب الہام کی زبان پر ڈالی جاتی ہے۔ یا فرشتہ کا نام ہے جو
 الہام لے کر آتا ہے۔

قسم چہا رسم یہ ہے۔ کہ صاحب الہام کے دل میں محض خیال
 آوے۔ جیسا کہ ملا صاحب نے بیان کیا ہے اور ان دو حدیثوں میں
 بھی اسی کا ذکر ہے۔ ان للملائمة بقلب ابن آدم وللشیطان
 لمة قلمة الملائمة ایضاً بالخیر و تعبدیت بالوعد و لمة الشیطان
 ایضاً بالنشر و تکذیب بالوعد تحقیق فرشتہ کا لگاؤ ہے۔ انسان
 کے دل سے اور شیطان کا بھی لگاؤ ہے فرشتے کی لگاؤ کیا ہے۔
 بہترائی کا وعدہ دینا۔ اور خدا کے وعدوں کو سچ دکھانا اور شیطان
 کی لگاؤ برائی کا وعدہ دلانا اور خدا کے وعدوں کو جھٹلانا و الداعی

فوق الصراط واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن اور رسدہ پر کھڑا
 ہو کر پکارنے والا۔ اللہ کا واعظ ہے۔ جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ حافظ
 ابن القیم مدنی میں فرماتے ہیں۔ واللہ ما منقسم الی عام وخص
 وعامہ قد یقع نادرا انتہی ملخصا اور الہام منقسم ہوتا ہے۔
 اور قسم عام اس کا اکثر واقع ہوتا ہے۔ اور قسم خاص کبھی شاذ و نادر
 و قریع میں آتا ہے۔ یہ چاروں قسم آیات اور احادیث سے ثابت
 ہیں۔ مثلاً صاحب نے چوتھی قسم بیان کی کہ تین قسموں کی نفی کر دی۔
 اور برخلاف کتاب و سنت اور علما امت کے ایک حیدر رسدہ
 نکالا۔ ہذا اللہ۔

مغالطہ۔ لیکن شرع میں یہ بات ثابت نہیں کہ ایک
 شخص حیلہ جاتا تھا۔ اور بات نے آواز دیا قرآن میں بھی اس
 کا ذکر نہیں پس معلوم ہوا کہ الہام صرف خیال دل کو کہتے ہیں۔
 ہذا اب۔ بات صریح۔ منادی تبلیغ کے ممکنے ایک ہی ہیں۔
 آواز دینے والا۔ پیچھے والا۔ پکارنے والا۔ اب ہم آیتوں اور حدیثوں
 سے ثابت کرتے ہیں۔ جو کئی شخصوں کو صریح اور منادی نے پکارا
 اور آواز دی۔ صحیح بخاری میں ہے۔ لما مات الحسن بن الحسن
 ضربت امرأۃ القبة علی قبرہ سنة ثم مرقدت فسمعت
 صاحباً یقول الہل وجدوا ما فقدوا۔ فاجابہ آخر۔ الہل
 بیسوا فالقلبوا جب کہ انتقال کیا حسن بن حسن رضی اللہ عنہما

نے ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال خیمہ لگا رکھا پھر
 خیمہ اٹھا لائی۔ پس اس نے سنا ایک پکارنے والا کہتا ہے۔
 کیا انہیں پاگیا۔ جو انہوں نے کہو یا تھا۔ دوسرے نے جواب
 دیا نہیں بلکہ نا امید ہو گئی پس لوٹ چلی۔ مگر علی قاری
 نے صالح کا ترجمہ ہاتھ سے کیا ہے۔ اور حدیث معراج میں ہے۔
 فلما احبوا ذرت نادر منار امفیت فریفتی و خضفت عن
 عبادک پس جب میں گزرا۔ ایک پکارنے والی نے پکارا میں
 نے اپنے فرض کا حکم جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں کے واسطے
 تحفہ کر دی۔ اور ساریہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے۔ فاذا
 بصائح یصح یا ساریہ الجبل احبانک ایک چلانے والے نے
 چلا کر کہا اے ساریہ پہاڑ کی طرف رہ اور حدیث صحیح میں
 ہے۔ فسمع صوتا فی السحابة است حدیقة فادت پس
 بارل میں سے ایک آواز سنی فلاں شخص کی بارغ کو پانی دے جمع
 الجبار میں ہے۔ اھنت بالہ نصار اے نادھم بلا عاتیوں کو بھنت
 یصح دونوں کے ایک معنی ہیں۔ ایسا ہی ہفتت صاحب غرض
 حدیث کی شہروں اور لغت کی کتابوں سے ثابت ہوا۔ کہ ہاتھ
 ہاتھ اور صالح اور منادی کے ایک معنی ہیں۔ اور نیز صحیح روایتوں
 سے جن سے انکار کرنا پیردان سفت سے بعید ہے۔ ثابت کیا
 گیا جو ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور

حسن بن حسن کی بیوی نے اور میدان جنگ میں ساریہ رضی اللہ عنہ نے اور جنگل میں کسی مسافر نے ہاتھ کی آواز سنی۔ اور سمجھی۔ پس یہ قول مصنف کا (ان معنوں میں جو یہ لوگ منتہال کرتے ہیں۔ کہیں قرآن و حدیث میں نہیں آیا، یا وارہیل منادی کہہ رہے ہیں۔ کہ بے چارہ بالکل سادہ اور بے علم ہے۔ جس نے مشکوٰۃ دیکھی ہوگی۔ وہ ان روایتوں سے واقف ہوگا۔ مصنف کو قرآن و حدیث کے تہارت کا دھوئے ہے۔ مگر ان روایتوں کی خبر نہیں۔ اور پروردگار فرماتا ہے۔ ہر نادر بٹلا دے یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا ہم نے پکارا اس کو اے ابراہیم تو نے بیشک گر دکھلایا خواب اذ ناداہ ربہ بالواد القدس طویا جس وقت پکارا تو اس کے رب نے پاک جنگل میں جس کا نام طوی ہے۔ ملا صاحب چند سطریں لکھ کر فرماتے ہیں۔ (اور کئی نے آواز سنی، پہلے انکار سے توبہ کرتے ہیں۔ پس ناظرین اس نتیجہ کو بھی منسوخ سمجھیں۔ جو انہوں نے فرمایا تھا۔) پس معلوم ہوا۔ کہ الہام صرف خیال دل کو کہتے ہیں، بلکہ باقرار ملا صاحب چاروں اقسام صحیح ہیں۔

مغالطہ ۱۲۹۔ وادعی رباک الی الخلد اور وادحینا الی امر صوسی میں مفسرین الہام کے معنی کرتے ہیں۔ لیکن الہام کے معنی درست نہیں ہوتے۔ کیوں کہ الہام میں صرف القا ہی

ہوتا ہے۔ وہاں جواب و سوال نہیں ہوتا۔

ہدایہ۔ یہ تو آپ مانتے ہیں۔ کہ گنجی میں کلام اور سوال و جواب ہوتا ہے۔ مگر الہام میں نہیں ہوتا۔ اس پر کیا دلیل ہیں۔ کہ یہ فرق آپ نے کہاں سے نکالا۔ اور اس پر کیا دلیل اور کون سی سند ہے۔ اہل لغت و لغوی کے معنی الہام ہی کہتے ہیں۔ جب اہل لغت کے نزدیک دونوں ایک معنی پر آتے ہیں۔ تو مفسرین کا قول صحیح ہوا۔ قاموس میں ہے۔ الوحي الکتابۃ والامشارۃ والمکتوبۃ والرسالة والاولہام والکلام الخفی وحی کے معنی ہیں لکھنا۔ اور اشارہ کرنا۔ اور مکتوب اور رسالہ اور الہام اور پوشیدہ کلام اور جمع البحار میں ہے۔ الوحي یقع علی الکتابۃ والرسالة والاولہام والکلام الخفی۔ اور جمع البحار میں ہے۔ اولہام ان یلقى اللہ فی النفس امرًا یبیشۃ علی الفعل والترك وهو نوع من الوحي یختص اللہ بہ من عباده لفظہ وحی لولا صاحب اتا ہے۔ کتاب اور رسالت اور الہام اور کلام پوشیدہ پر۔ الہام یہ ہے کہ اللہ کسی کے دل میں کسی بات کا القا کرے۔ جو اس شخص کو فعل یا ترک کا باعث ہووے۔ اور الہام ایک قسم ہے وحی کی خاص کرتا ہے۔ اس کے ساتھ پروردگار جس کو چاہتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے اور یہ بات ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ الہام بمعنی تحدیث و تلقین

اور تکلم بھی آتا ہے۔ اور اس صفت والے شخص کو ملہم اور محدث
 اور ملقن اور مکلم کہتے ہیں۔ بخاری میں ہے۔ قد کان فیمن قبکم
 من الہم محدث پہلی امتوں میں غیب سے باتیں سننے
 والے لوگ تھے۔ قد کان فیمن قبکم من بنی اسرائیل
 رجال یكلمون من غیر ان یكولوا انبیاء فانت یکف فی
 امتی منہم احد فہم تمہارے سے پہلے امت بنی اسرائیل میں
 ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ کلام غیب سے کی جاتی تھی۔ باوجودیکہ
 وہ نبی نہ تھے۔ پس اگر میری امت میں سے کوئی ویسا ہو تو
 عمر ہو گا۔ اور صحیحین میں ہے۔ ولیہ بنی محمد لحدہ بھالہ
 تھے ضربی الہف ورف روایۃ لعلمی اور الہام کرے گا۔
 پروردگار مجھ کو تعریفیں جن کے ساتھ میں اس کی حمد کروں گا۔
 جو اب مجھ کو یاد نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے تعلیم کرے
 گا۔ مجھ کو پروردگار۔ آخر حدیث تک۔ ان سب روایتوں اور سندوں
 سے ثابت ہوا۔ کہ وحی کے معنی الہام بھی آتا ہے۔ اور الہام میں
 آواز اور کلام بھی سنائی دیا کرتی ہے۔ اور معلوم ہوا کہ ملا صاحب
 جیسے وضعی مسائل بناتے ہیں۔ ویسے ہی وضع لغت میں بھی دخل
 رکھتی ہے۔ خیر تیرھویں صدی کے مجتہد سے یہ بھی غنیمت ہے کہ
 صاحب آپ نے صفحہ ۱۸۱ میں تصریح کیا ہے۔ کہ اگر کسی آدمی
 سے فرشتہ کلام کرے۔ تو اس کا نام وحی ہے نہ الہام یہ تو بتلا

و یحییٰ۔ جو کوئی جھوٹا دعویٰ کرے۔ کہ مجھ کو وحی ہوتی ہے۔ تو
 بموجب آیہ کریمہ کے ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا
 او قال ادعی الی ولم یوح الیہ شیء وہ شخص سردار
 ظالموں کا ہے۔ یا نہیں اگر ہے پس آپ اور آپ کا ذریعہ طبع اللہ
 صاحب (جو اس رسالہ اور قصیدہ علیا کے اخیر میں لکھتے ہو۔
 سے سرورش از غیب بامن کردار شاد پوسے سرورش گفت ز غیبم بگوئم
 این تاریخ ہم تو پوری اس آیت کے مصداق ہو گئی۔ اور اگر کہو۔ کہ
 یہ کلام شاعروں کے طریق پر ہے۔ پس حکیم آیہ کریمہ والشعر
 یتعلم الفاووت معاذ اللہ داخل زمرہ غادین ہو جاؤ گے۔ کیا
 اچھا کہا جس نے کہا ہے

و زبیرے سپین شہر یارے چناں ؛ جہاں چوں نگیر و قرار چناں
 افسوس آپ مہمیں صادقین پر طعن کرتے ہو۔ اور خود بدولت ناحق
 مدعی وحی۔ صفا لکھا۔ جب یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ
 الہام کے معنوں میں کلام اور تکلم مانو نہ نہیں۔
 ہذا ایہ۔ ملا صاحب آپ بار بار یہی کہتے ہیں۔ کہ الہام
 میں کلام نہیں ہوتی۔ کیا یہ مسئلہ آپ کو الہام سے معلوم ہوا ہے۔
 یا کسی کتب میں دیکھا ہے۔ قرآن و حدیث اور لغت عرب
 سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ الہام میں کبھی کلام بھی ہوا کرتی ہے۔
 ان یتعلمون الا لفظ وما لہوک الا نفس پروردگار فرمانا

ہے۔ بعض لوگ اپنی اٹکل اور ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ ایسا ہی آپ کا حال نظر آتا ہے۔ خدا رحم فرماوے۔

مغالطہ ۱۵۱۔ اگر کوئی شخص دعویٰ کلام تکلم کا کرے۔ اور پھر اس پر اطلاق الہام کا کرے۔ ہم اس کو صادق نہ جانیں گے۔

ہدایہ۔ چونکہ آپ مقرر ہیں کہ وحی میں کلام ہوا کرتی ہے۔ اور وحی اور الہام کا مراد ہونا لغت کی کتابوں سے ثابت ہے۔ پس آپ کو اس شخص کا صادق جاننا اپنی تحسیر کی رو سے ضرور ماننا پڑے گا۔

مغالطہ ۱۵۲۔ التدبیر شانہ نے صریح فرمایا ہے کہ فالحمیٰ فجر ہوا و تقویٰ لہا لفظ نفس عام ہے۔ فاسق کا ہو۔ یا صالح کا، کافر کا ہو یا مومن کا تقویٰ اور شجوبہ کا الہام ہر ایک کو ممکن ہے۔ ہدایہ۔ جیسا لفظ نفس عام ہے، اسی طرح لفظ الہام بھی عام ہے۔ بعضوں کو بطریق تحدیث غیبی و خیب سے ایک کلام کا سنائی دینا، ہوتا ہے۔ اور کسی کو بطریق خطاب ملکی (فرشتہ کا متشکل لشکل اللسان ہو کر کلام کرنا) اور کیوں کہ بطریق تعلیم روحی (خود بخود ایک کلام کا جو اس کو یاد نہ تھی یا اس کو حیانت بھی نہ تھا۔ زبان پر جاری ہونا) اور بہتوں کو بطریق الثانی القلب (ایک خیال ذیل میں آتا،

اور جیسا کہ الہام تقویٰ میں الہام کا عام معنی لیا جاتا ہے۔
 ویسا الہام فحور میں بھی عموم ہے۔ مگر القاء خیر کو الہام رحمانی
 کہیں گے۔ اور القاء شر کو الہام شیطانی۔ چنانچہ اس
 حدیث میں (جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں) دونوں طرح
 کے القاء کا ذکر ہے۔ فرشتہ کا لگاؤ ہے۔ ابن آدم کے دل
 سے اور شیطان کا فرشتہ کی لگاؤٹ خیر کی امید ولانی
 اور خدا کے وعدوں کو سچا دکھانا اور شیطانی لگاؤٹ برائی
 کا وعدہ دینا اور وعدہ الہی کو جھٹلانا۔ الہام خیر کے انواع
 راقم پہلے کتاب و سنت سے ثابت کر چکا۔ اب الہام شر
 کے انواع آیات بینہ و احادیث صحیحہ سے بیان کرتا ہے نوع
 اول تحدیث جو اس متفق علیہ روایات میں مذکور ہے۔ ثلاث
 الکلمۃ من الحق یحفظها الحق فیقرہا حق اذن دلیہ
 قر الدحاجۃ (کاہن کوئی سچی بات بھی لوگوں کو بتلاوے)۔
 آنحضرت نے فرمایا یہ ایک سچی بات ہے۔ جن فرشتوں سے
 سن کر، اے یاد کر لیتا ہے۔ پس مرغی کیسی آواز کے ساتھ
 بول کر اپنے دوست کے کان میں کہہ دیتا ہے۔ نوع دوم خطاب
 جو ان آیتوں میں وارد ہے۔ واذنین لہم الشیطان اعمالہم
 و قال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی حاسر
 لکم فلما تراءت الفتان نکص علی عقیدہ و قال انی

بریٹی منکر انی ایک مال و تصرف (ترجمہ) اور جب وقت
سنوارنے لگا شیطان ان کی نظر میں ان کے کام اور ہولنا کوئی
غالب نہ ہوگا۔ تم پر آج کے دن اور میں رفیق ہوں۔ تمہارا پس
جب سامنے ہو گئیں دو دنوں میں اٹھا پھرا۔ اپنی ایریلوں پر اور
ہولاء میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں
دیکھتے۔ شیطان مجسم ہو کر لوگوں کو نظر آیا۔ اور لڑائی کے وقت
جب مقابلہ میں فرشتے دیکھے۔ اپنے ساتھیوں کو جواب دے
کر بھاگ گیا۔ اور کھٹل الشیطان اذ قال یدہ فسان الکفر
فلما کفر قال انی بریعی منک جیسی کہادت شیطان
کی۔ کہ جس وقت کہا اس نے آدمی کو کفر کر پس جب کفر
کیا۔ کہا میں الگ ہوں تجھ سے۔ شیطان ایک زاہد کا دوست
بنا۔ اور اس کو فسق سکھایا۔ جب وہ پکڑا گیا۔ تب کہنے لگا۔ تو
مجھے سجدہ کر۔ میں تجھے بچالوں گا۔ جب اس نے سجدہ کر کے
ایمان گنوا لیا۔ تو کہنے لگا میں تجھ سے بیزار ہوں۔ جیسے بی بی
مریمؑ سے جبرائیلؑ نے بصورت انسانی ظاہر ہو کر کلام کی تھی ویسے
یہی ان کافروں سے شیطان نے جسم انسانی میں آکر فریب دیا۔
نورع سویم تعلیم روحانی جس کا بیان اس حدیث صحیح بخاری
میں ہے۔ فیسمع الکلمۃ فیلقیہا الی من یتحتہ ثم یلقیہا
الآخر الی من یتحتہ حتی یلقیہا علی لسان الساحر۔

ترجمہ :- پس سنتا ہے شیطان فرشتوں سے ایک کلمہ پس اپنے نیچی جھگڑا لے کو ڈالتا ہے پھر وہ اپنے سے نیچے درجہ والے کو سکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ عبادہ گری کی زبان پر (بذریعہ تعلیم روحانی کے) ڈالتا ہے۔ اور ساحر ایک سچے فقرہ کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں فخر سے ظاہر کرتا ہے۔ نبوت کے جھوٹ مدعی اکثر اسی قسم کے الہامات دکھلا کر لوگوں کو فریب دیا کرتے تھے۔ صاحب جمع البجاری لکھتے ہیں۔ قالہ وایات الشعار باب الموضع فی اذن الکلمات قارۃ بلا صوت و آخرک بہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ جو کاسن کے کان میں کبھی آواز سے بات پہنچتی۔ کبھی بدوں آواز کے۔ نوع چہارم و سوسہ اور خطرہ جس کو مصنف تخیال ولی لکھتے ہیں۔ الشیطان یعد کم الفقر و یأمرکم بالفحشاء شیطان تمہیں ڈراتا ہے۔ محتاجی سے اور حکم کرتا ہے۔ اے حیائی کا۔ ان للملک لمة بقلب ابن آدم وللشیطان لمة قلمۃ الملک الیاد بالخیر و تصدیق بالوعد و لمنۃ الشیطان الیاد بالبشر و تکذیب بالوعد۔ اس آیت اور حدیث میں نوع چہارم کا بیان ہے۔ اور جیسا الہام کے معنی آیت کریمہ فالہمہا فجورہا و تقویٰہا میں عام ہے۔ اسی طرح وحی اس آیت میں و ان الشیاطین لیوحین الیہ اولیاءہم و تحقیق شیطان وحی کرتا ہے طسوف اپنے دوستوں کے

عموم پر محمول ہے۔ لیکن مختلف طور پر الفا کرنا ہے۔ الہام خیر اور الہام شر میں یہ فرق ہے۔ کہ خیر اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ اور شر شیطان کی طرف سے۔ جس کو خیر کا الہام ہوتا ہے۔ اس کو محدث و ملہم و ملقن رحمانی کہتے ہیں۔ اور جس کو برائی کا الہام ہوتا ہے۔ اس کو محدث و ملہم و ملقن شیطانی بتلاتے ہیں۔ آیت کریمہ فالہمہا فجورہا و تقولہا میں الہام کے ایک ہی معنی لینا اور باقی کو نہ ماننا یا اسے تعصب ہے۔ یا محض بے علمی و بے خبری۔ ہم ناظرین کو ایک اور بات بتلاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نے لفظ الہام کا ترجمہ الہام اصطلاحی کیا ہے۔ اور ہم نے وہی معنی فرض کر کے اسی روش پر یہ جواب دیا ہے۔ وراصل آیت فالہمہا فجورہا و تقولہا میں الہام کے معنی ہیں تعظیم اور تفہیم کے پس آیت کے معنی اس طرح کرنے چاہئے (پس) سکھایا اور سمجھایا نفس کو فجور اور تقویٰ اس کا۔ یعنی بدکردار نے کہتا ہیں انا کر اور رسول بھیج کر گمراہی اور ہدایت کا راستہ واضح کر دیا۔ اب مصنف کا استدلال بالکل بے جا اور باطل ہوگا۔

ہر خالطہ ۱۵۱۳۔ پس یہ لوگ جو دعویٰ الہام کا کرتے ہیں۔ اور ان کے معتقد لوگ قرآن و حدیث سے زیادہ خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے منکروں پر اس شد انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ان کو کافر جانتے ہیں۔ یہ باتیں دین کی نہیں ہیں۔

ہدایہ۔ جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کسی چیز کو قرآن و حدیث پر مقدم نہیں کرتے۔ بلکہ الہامات کو شواہد اور مبشرات اور ترمیم اور اطمینان کا سبب سمجھتے ہیں۔ اور جو شخص تاویل کے ساتھ الہام کا انکار کرے۔ اس کو کافر نہیں کہتے۔ بلکہ مبتدع کہتے ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔

مغالطہ۔ یہاں علماء عقائد نے لکھ دیا ہے۔ والہام لیس بحجۃ۔ ہدایہ۔ معلوم ہوا ملاً صاحب بہت حیران ہیں۔ ہر طرف ہاتھ مار رہے ہیں۔ کوئی دلیل نہیں ملتی جس سے الہام کی بے اعتباری ثابت کریں۔ آخر انہیں لوگوں کا قول سند لائے ہیں۔ جن کے آپ ہمیشہ سے منکر ہیں۔ اور اسی رسالہ کے اقل و آخر میں جن پر اعتراض کئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا حافظہ اور فہم بالکل تیار رہا ہے۔ ورنہ آپ یہ قول اہل کلام کا (والہام لیس بحجۃ) کبھی سند نہ لاتے۔ آپ وجود الہام کے منکر ہیں۔ اور اس قول کے یہ معنی ہیں۔ کہ الہام کا وجود تو ہے۔ مگر کتاب و سنت کی طرح حجت نہیں۔ اگر اہل کلام آپ کی طرح الہام کے منکر ہو گئے۔ تو یوں کہتے۔ الہام کا وجود ہی نہیں۔ یا کہتے الہام دل کا خیال ہے۔ جو مومن کا ذرا صاف فاسق چھوٹے بڑے سب کے دل میں آتا ہے۔ اور اس کی حجت ہوئی نہ ہوئی پر بحث نہ کرنے۔ بلکہ علماء عقائد لکھتے

ہیں۔ الہام کیا ہے۔ القاء ہونا علم کا دل میں جو ایک قسم ہے
 وحی کی آپ نے اتنی بات کو مان لیا۔ کہ (صحیح نہیں) مگر حجت
 نہ ہونے والی چیز کے وجود کو نہیں مانا۔ ایک جملہ میں خیر کا اقرار
 ہے۔ اور مبتدأ سے انکار۔ یہ بعینہ محدود کی کسی بات ہے۔ جو
 کہتے ہیں کلام اللہ میں نمائندگی ممانعت آئی ہے۔ خدا فرماتا ہے۔
 لا تقربوا الصلوة۔

مغالطہ ۱۵۵۔ اور علماء عقائد نے لکھا ہے۔ کہ اس باب
 علم کے تین ہیں۔ الی قولہ الہام کو کسی نے اس بات علم
 سے نہیں بنایا۔

اصل یہ۔ علم کلام فاسفہ کے مقابلہ میں اسی کی ڈھنگ
 پر بنایا گیا تھا۔ اہل کلام کو منقول کی طرف توجہ نہ تھی۔ صرف
 علم معقول ان کا مبلغ علم تھا۔ اس لئے سلف صالحین نے
 مذہب کو زمرہ علمائیں شمار نہیں کیا۔ اور آپ بھی ہمیشہ ان
 کے منکر رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ غدار اور تعدد کے سبب یہاں
 ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر حکمیں بر خلاف کتاب و سنت کے
 کسی مسئلہ کا انکار کریں گے۔ تو یہی شک ان کا قول ہو گیا
 جائے گا۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ فاذا اوجبت الی الخواصر
 بیت ان امتیابی ویرسولک قالوا امضنا۔ اور جس وقت
 الہام کیا میں نے طرف حواریوں کے یہ کہ تم ایمان لاؤ۔ ساتھ

میرے اور میرے رسول کے۔ وہ بولے ہم ایمان لائے عیسیٰ
 علیہ السلام کے شاگردوں کو معرفت توحید الہی اور حقیقت
 عیسیٰ علیہ السلام الہام سے حاصل ہوئی۔ اور اسی کے موافق
 انہوں نے اپنے عقائد کو مضبوط کر کے اللہ اور اس کے رسول
 کے برحق ہونے کا اقرار کیا۔ معرفت توحید الہی کے برابر کوئی
 علم نہیں۔ سب علوم اس سے ادنیٰ ہیں۔ جب یہ سب
 علموں کا سرور علم بہ سبب الہام کے حاصل ہو سکتا ہے تو
 اور علموں کی کیا حقیقت ہے۔ اور فرمایا۔ واوحینا الی ام
 موسیٰ امر ضعیفہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم
 ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا۔ تو اس کو
 درود پلا۔ پس جس وقت تجھے اس کی حالت پر خوف ہو۔
 پس ڈال اس کو دریا میں۔ دیکھو الہام کے ذریعہ سے کیسی
 مشکل حل ہوئی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اس دورانہ
 عقل بات پر کیسا اعتبار کیا۔ کہ زندہ بچے کو بہتے پانی میں
 پھینک دیا۔ آخر اللہ جل شانہ اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور ماں بیٹے کو
 ملا دیا۔ لتعلم ان وعدہ اللہ حتم تاکہ وہ جانے بے شک
 اللہ کا وعدہ حق ہے اور طاوت نے بذریعہ الہام معلوم کر
 کے بتلایا۔ کہ میرے ساتھیوں میں سے جو نہر پر پانی پیئے گا۔
 میری رفاقت سے رہ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور عرفان

نے ایک لشکر روانہ کیا۔ اور ساریہ نام شخص کو اس پند امیر
 بنایا۔ جمعہ کے روز خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کو بذریعہ الہام معلوم
 ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے۔ آپ اسی امیر لشکر کو
 پکار کر تدبیر بتاتے لگے۔ اسے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جہاد پر رگڑا
 نے یہی آواز ان کو پہنچا دی۔ اور وہ پہاڑ کی طرف پشت کر
 کے کھڑے ہو گئے۔ دشمنوں کا داؤ نہ چلا۔ آخر کفار مغلوب
 ہو کر بھاگ گئے۔ اور ایک شخص سے حضرت عمر نے پوچھا۔
 تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا جبرہ۔ آپ نے پوچھا باپ کا نام۔
 بولاشہاب۔ آپ نے دریافت کیا۔ کس قبیلہ سے؟ کہا خرقہ
 سے۔ پوچھا کہا لڑتا ہے۔ کہا حرة النار میں۔ پوچھا کون سی
 جگہ۔ کہا ذات لطلی میں۔ فرمایا جا اپنے گھر والوں کی خبر لے وہ
 سب جل گئے۔ جب اس شخص نے جا کر دیکھا۔ تو یہی حال
 تھا، جو کہ حضرت عمر نے کہا تھا۔ یہ حالات آپ کو الہام سے
 معلوم ہوئے۔ اور جیسے بتلائے ویسے ہی دیکھنے میں آئے۔ عمر
 فاروق کے ایسے ہی حالات دیکھ کر صحابہ کرام کہا کرتے۔ ان
 الملک یطلق علی لسان حمیر۔ ملا صاحب کو محدثین کے
 عقائد کی خبر نہیں۔ ورنہ متکلمین کی تقلید نہ کرتے۔ علامہ
 زمان نواب سید محمد صدیق حسرت خاں بغینہ الزاید
 فی شرح العقائد میں لکھتے ہیں۔ کہ کثیر از سلف صالحین الہام

کو اسباب علم جانتے ہیں۔ پس یہ بات کہ (الہام علم کا ذریعہ اور سبب ہے) کتاب اللہ اور آثار صحابہ سے بخوبی ثابت ہوئی۔ اور مولا اور متکلمین کا بے سند قول رد ہوا۔

مغالطہ ۱۵۶۔ بلکہ سب یہی کہتے ہیں۔ الا لہام لیس من اسباب المعرفة لصحة الشیء عند اہل الحق۔ یعنی الہام اہل سنت جماعت کے نزدیک کسی شے کی صحت معلوم کرنے کا سبب نہیں ہے۔ **ہدایہ** نسفی کی مراد اہل حق سے متکلمین ہے کیوں کہ اہل فن اپنی آئینہ فن کا ہمیشہ حوالہ دیا کرتے ہیں مولا صاحب اگر راست گوئی کرتے۔ عبارت نسفی کا ترجمہ اس طرح فرماتے۔ یعنی الہام اہل کلام کے نزدیک کسی شے کی صحت معلوم کرنے کا اسباب نہیں ہے، تو عوام الناس فہم میں نہ آتے۔ اور مخالفت متکلمین کی چند ان پروانہ کرتے۔ انہوں نے اہل کلام کی جگہ اہل سنت و الجماعت لکھ دیا۔ مگر ایسی ابلہ فریبی سے کیا ہوتا ہے۔ اہل حق وہ ہیں۔ جن کے عقاید کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہیں۔ نسفی متکلمین میں سے ایک شخص ہے مسایل صفات میں اکثر غلطی کرتا ہے۔ اور پھر انہیں مسایل کو اہل حق کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ان کے نزدیک اہل حق اہل کلام ہیں۔ **مغالطہ ۱۵۷۔** اور اس الہام کو اولیاء اللہ کا خاصہ سمجھنا خطا ہے۔ بلکہ ہر ایک مومن اولیاء اللہ ہے اور

الہام کسی کا خاصہ نہیں ہے۔

ہدایہ۔ مومن مفرد اولیاء جمع یہ کون سا صحابہ اور عربیت
ہے۔ نحو میر کے پڑھنے والے بھی جانتے ہیں۔ کہ مطابقت مبتدا اور
خبر میں ضروری ہے۔ ملاً صاحب بے شک ہر مومن ولی ہے۔ مگر جیسے
عمل ویسا درجہ ایک سابق بالخیرات ہیں۔ اور ایک سیانی روش
والے اور ایک گناہوں کے سبب اپنی جان پر ظلم کرنے والے
مومنوں کے درمیان فرق ہے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت ہے۔
ملاً صاحب اگر مدعی مساوات ہیں۔ تو اس کا قول برخلاف قرآن کون
مانے گا۔ آیت واحادیث سے ثابت ہے۔ کہ الہام متنازع فیہ
ہر ایک شخص کو نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خاص لوگ ہیں۔ جو اس عسالی
رتبہ کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ پروردگار نے انبیاء اور رسل کے ساتھ اہل
الہام کا ذکر فرمایا۔ قراءت ابن عباس میں ہے۔ وصا ارسلا من
قبلک من نبی ولا رسول ولا محدث اور حدیث شریف میں
ہے۔ لقد کان فیہ قبلكم من الہم محدث اور صاحب مجمع البحار
لکھتا ہے ہولاء من الہم فیخص اللہ بہ من یشاء من عبادة۔
عمر فاروق جیسے مومنوں کو الہام ہوتے تھے۔ ہر شخص کا منہ نہیں۔
جو دعویٰ کرے۔ جب کہ اہل اللہ کے ساتھ الہام کی خصوصیت
نقل اور عقل سے ثابت ہے۔ ملاً کا بے دلیل قول گہرے سننے کا۔
دراصل ملاً صاحب اس کے فہم سے قاصر ہیں۔ جو بات سمجھ میں نہ آئی۔

اس کی تکذیب کے درپے ہو گئے۔ بل کذب اجمال محیط العلمہ۔
 دعویٰ تو یہ ہے۔ کہ ہم ہر بات کی سند کتاب و سنت سے لائیں
 گے۔ مگر خاص کر بحث الہام میں سوائے اس بات کے الہام
 سمجھنے خیال ہے، اور کوئی دلیل نہیں لائے۔ بحجب ناطقہ بند ہوا
 ہے۔ مجتہد صاحب کچھ تو ارشاد کیجئے۔ الہام کا مسئلہ بدیہی الثبوت
 ہے۔ دیکھو الہام سے اکثر حالات گزشتہ اور آئندہ پہنچاتے
 ہیں۔ محض خیال سے گو تمام عمر خیالی پلاؤ پکائیں۔ مخفی حالات
 منکشف نہیں ہوتے۔ پھر دونوں کو ایک کہنا ایسا ہے جیسے
 کوئی نور اور ظلمت کو ایک کہے۔

مغالطہ ۱۵۔ الہام بموجب اصلی معنوں کے خیالی ڈالا
 جانا کسی آیت کا اور دل میں آجانا۔ اور بھولی ہوئی یاد کرائی
 جانی یا کسی مقدمہ میں بحالت تردد آیت یاد دلائی جانی یہ تو
 حائر ہے۔ منع نہیں۔

ہاں اب۔ ملاحظہ صاحب یہاں الہام کے معنی کہتے ہیں (یاد
 دلانا اور یاد کرنا) غنیمت ہے۔ آپ کی ضد تو مل گئی۔ بارہ بارہ
 یہی کہتے تھے۔ الہام دل کا خیال ہے۔ اب یاد دلانا بھی الہام
 ہو گیا۔ مگر یہ امر ظاہر نہ ہوا۔ جو کسی انسان کا یاد دلانا مراد
 ہے۔ یا غیب کی یاد دہانی۔ خیر اگر ملاحظہ صاحب کسی بشر کی یاد
 دہانی کو الہام کہیں گے۔ تو غیب کی یاد دہانی بطریق اولیٰ الہام

تصور کی جائے گی۔ امر حق بقا۔ بے اختیار زبان پر آگیا۔
 الحق یعدو ولا یحسب۔ فایده۔ اگر ہم فرض کریں۔ الہام
 کے ثبوت کی کوئی دلیل نہیں۔ اور کسی صحابی کو کشف حالات
 نہیں ہوا۔ اور اس وقت ایک شخص صادق متقی خائف من
 اللہ۔ دعوے کرے جو مجھے بعض اوقات کشف ہوتا ہے۔ اور
 اس کا نام الہام رکھے۔ تو ہم بے شک اس کو سچا جانیں
 گے۔ یہ کوئی حل و حرمت کا مسئلہ نہیں ہے۔ جس پر دلیل شرعی
 کا لانا ضروری ہو۔ مومن کو سچا جاننا اور اس کے قول کو تصدیق
 کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور ہمارے رسول کریم کا طریقہ
 ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔ یٰکون باللہ ولی من علمہ صلیت۔
 رسول خدا اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اور مومنوں کی بات پر
 یقین کرتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے۔ کہ صحابہ کو جب یہ حالت
 حاصل نہ تھی۔ تو اس شخص مدعی کو کس طرح حاصل ہو گئی۔ اس
 کا جواب یہ ہے۔ کہ علماء امت کے نزدیک بہت اچھے قصبہ اور
 واقعات مسلمات سے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایک اونٹ
 درجہ اولے سے ایسا امر صادر ہوا۔ جو اعلیٰ درجہ والے سے کبھی
 وقوع میں نہیں آیا۔ چنانچہ بعض لوگ خوف خدا سے دفعتاً مر گئے
 اور انبیاء اور صحابہ کرام میں سے کوئی نہیں مرا۔ اللہ پاک کی
 عطا ہے۔ اختیاری کام نہیں۔ جو اس پر طعن کیا جاوے۔

کہ تجھ کو کیوں الہام ہوا۔ اور تو کیوں مر گیا۔ یا کیوں مجذوب
ہوا۔ حسابہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا۔

صغیٰ الطہ ۱۵۹۔ لیکن اس طور کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ
کو یہ آیت الہام کی۔ اور اس کے تکلم اور کلام خیال کرنا کہ خدا
نے مجھ سے کلام کی۔ اور اس آیت کو مجھے فرمایا۔ ان معنوں سے
جائز نہیں۔ ہذا اب۔ المرعد ولما جہل آدمی جس چیز
کو نہیں جانتا۔ اس کا دشمن اور مخالف ہو بیٹھتا آپ ملحقین
صادقین کے حالات سے بے خبر ہیں۔ صاحب الہام یہ نہیں کہتے
کہ جو ہمیں الہام ہوتا ہے۔ وہ یقیناً پروردگار کی کلام ہے۔ بلکہ
متروک رہتے ہیں۔ کہ یہ کلام ربانی ہے۔ یا خطاب ملکی۔ بعض الہامات
میں یہ بھی خوف ہوتا ہے۔ مبادا کہیں شیطان و سوسہ نہ ہو بلکہ
صادقین کے امام امیر المؤمنین عیسیٰ نے اپنے منشی سے کچھ لکھوانا
چاہا۔ کاتب نے لکھا۔ ہذا اما اری اللہ عمر امیر المؤمنین فقال
رضی اللہ عنہ احمہ اکتب ہذا اما اری عمر فان کان
صواباً فمفت اللہ والکان خطاً فمن نفسی واللہ ورسولہ بری۔
ترجمہ۔ یہ وہ چیز ہے جو اللہ نے دکھائی امیر المؤمنین عیسیٰ کو پس
آپ نے فرمایا مٹا دے اس کو جو تو نے اس کو یقیناً اللہ
کی طرف منسوب کیا ہے، لکھ یہ وہ چیز ہے جو دیکھی عمر نے
پس اگر درست ہے۔ پس خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر غلط

پس میرے نفس سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے پاک ہیں۔ ہمارے امام اور پیشوا عبد اللہ بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک کتاب کی بابت جس میں بعض مسائل خلاف جمہور امت تھے بطریق الہام یہ دیکھا۔ من مشن مشن فی الناس اور فرمایا والدہ اعلم یہ الہام رحمانی ہے۔ یا وسوسہ شیطانی اس کتاب کے دلائل دیکھنے چاہیے۔ کیوں کہ دلیل پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ دلیل کے مقابلہ میں الہام کا اعتبار نہیں۔ مگر صاحب جو فرماتے ہیں کہ صاحب الہام کا یہ کہنا کہ خدا نے مجھ سے کلام کی۔ اور اس آیت کو مجھے فرمایا۔ ان معنوں سے جائز نہیں ہمارے سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں نا جائز ہے۔ اگر آپ انہی معنی کر کہتے ہیں کہ صاحب الہام آیت یا کلام کو سن کر یقیناً جانتا ہے کہ بلا واسطہ خدا نے مجھ سے کلام کی تو بے شک یہ دعویٰ باطل ہوگا۔ اور نہ کسی اہل حق نے آج تک ایسا کہا ہے۔ اور اگر آپ کی یہ مراد ہے جو کوئی شخص پروردگار سے ہم کلام ہو نہیں سکتا۔ اور جو آیت یا کلام صاحب الہام سنے۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کا احتمال و گمان ہی نہیں کر سکتے۔ تو یہ آپ کی خطا ہے پروردگار فرماتا ہے۔ مَا كُنْتُ بَشَرًا لَّيْكُمُ اللَّهُ الْوَحْيَ أَوْ مِثْرَ حَبَابٍ اذیرسل رسولا فیوحی بآمرہ ما یشاء نہیں (منصب) واسطے کسی بشر کے (جو بے واسطہ) کلام کرے۔ اس سے اللہ

مگر بطریق وحی کے باپردہ کی اور طے سے یا بھیجتا ہے رسول (یعنی فرشتہ) کو پس وہ وحی کرتا ہے۔ اللہ کے حکم سے اس آیت میں صاف ارشاد ہے۔ کہ پروردگار اپنے بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بطریق وحی اور اولیاء اور صلحاء سے بطور الہام کے اور اگر آپ خاص کر آیات قرآنی کے الہام اور القاء سے منکر ہیں اور اس کو ممکن جانتے ہیں۔ تو کسی دلیل نقلی یا عقلی سے اس کا بطلان ثابت کیجئے۔

مخالطہ ۱۴۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں متروک ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ مجھے یہ حکم ہوا۔ قوم اللہ، قانیت پس اگر اس خطاب کو عام خیال کرتا ہے۔ تو اس کے الہام ہونے کی کوئی خصوصیت نہ ہوئی۔ بلکہ یہ آیت اول ہی سے نازل ہے۔

ہدایہ۔ آئین بے شک پہلے ہی نازل ہو چکی ہیں۔ اور ان کے الفاظ اور مورد بھی عام ہیں۔ مگر جب صاحب الہام پردہ غیب سے سنتے ہیں۔ یا خود بخود ان کی زبان پر آیات جاری کی جاتی ہیں۔ تو وہ اپنے محال سے مطابق کرتے ہیں۔ اور بہ سبب فہم خدا واد کے خط وافر اٹھاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کام کے نیک و بد ہونے میں تردد ہوتے ہیں۔ تو مثلاً آیہ والہر جزا فاجر سن کر اس کے ترک کا عزم کرتے ہیں۔ اور جب دینی معاملات کے سبب مصیبتوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ تو قوم اللہ، قانیت اور ان اللہ، معنا سن کر

اُن کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اور اس کو طمانیت اور بشارت منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔ سبحان اللہ بشارت غیبی سے ایسی تسلی اور شوق الی اللہ اور رغبت خیر حاصل ہوتی ہے۔ کہ اسباب ظاہری سے اس کا عشر عشر بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ علم الکتابی علم لدنی کو نہیں پہنچتا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 استدل الناس بآلاء الانبياء ثم لا مثله مثله تمام لوگوں میں سے زیادہ مبتلائے تکلیف انبیاء ہوتے ہیں۔ پھر درجہ بدرجہ انبیاء بہ سبب تائیدات اور بشارت غیبی کے اس حالت میں جب کہ جہاں ان کی عداوت اور مخالفت پر متفق ہوتے ہیں۔ مطمئن اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی اولیاء اللہ ہیں قدر ایمان اور اسی قدر امتحان ملے گا کام ہے۔ جو نگہ بار بار و اغیار وطن اور مقام عیش و آرام سب کچھ توکل بر خدا چھوڑنے کی سبیل اللہ ہجرت کرتے ہیں۔ علم الکتابی والے کبھی اتنا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ الا ماشاء اللہ۔

مغالطہ ۱۶۔ اگر اس دلیل سے اپنے آپ کو غصوں کرنے لڑ چاہیے۔ کہ ان آیات کو جن میں مؤمنین کے واسطے جنت کی بشارت ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے اوپر خاع کر کے زید کہے کہ میں بہشتی ہوں۔ قطعی اور عزم بکر بھی یہی کہیں۔
 ہدایہ۔ زید و عمر جو اپنے قدامی جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں

کر سکتے۔ اس کا سبب وہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔ کیا اہمیت کا عموم نہ یہ کہ یقین دخول جنت سے ملنے ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ آیات کا عموم یہی چاہتا ہے۔ کہ نہ یہ اپنے آپ کو بالجبرم جنتی سمجھے۔ جب ہم جنس عام پر ایک حکم لگاویں گے۔ تو ضرور ہوگا۔ کہ ہر ہر فرد کی نسبت اس کو تسلیم کریں۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ گو نہ یہ اس وقت مومن ہے۔ اور مومن کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ آخری وقت تک مومن رہے یا نہ رہے اور اعتبار خاتمہ کا ہے۔ اگر مرنے وقت جبکہ دخول جنت کا موقع ہے، نہ یہ ایمان پر ثابت قدم نہ رہا۔ تو گویا یہ کبھی ایمان نہ لایا تھا۔ اس لئے کوئی دعوے نہیں کر سکتا۔ بالفرض اگر کسی مومن یا کافر کی نسبت ہمیں یقین ہو جائے۔ کہ اس کا خاتمہ بالآخر ہوگا تو ہم بے تاثر کہیں گے کہ یہ جنتی ہے۔ ہم ملا صاحب کی حالت پر افسوس کرتے ہیں۔ جو ایسا غوجی کا مسئلہ سمجھ نہیں سکتے۔ اور اجتہاد کا دعوے ہے۔ خدا سب کا خاتمہ بالآخر کرے۔ ہم ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ بنظر انصاف غور کر کے فرماویں۔ جو اس فضول بحث سے ان کو کیا حاصل۔ شریعت میں اس کو قیل و قال کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہودہ گفتگی سے منع فرمایا۔ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل و قال۔

مغالطہ ۱۶۲۔ اور قرآن میں بعض آیات ایسی ہیں۔
کہ ان میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب
ہیں۔ ان کے سوائے کوئی مخاطب بن نہیں سکتا۔

ہدایہ۔ اگر الہام میں اس آیت کا القاء ہو جس میں
خاص آنحضرت کو خطاب ہے تو صاحب الہام اپنے حق میں
مخیال کرے اس کے مضمون کو اپنے حال سے مطابقت کرے اور
نصیحت کرے گا۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار
تم عبرت حاصل کرو۔ اسے آنکھوں والو۔ لفظ اعتبار لیا
گیا ہے۔ عبور سے عبور کے معنی گزر کرنا۔ اور اصطلحاً ہی معنی ہیں۔
ایک امر میں نظر کرنا۔ تاکہ اس کے ساتھ اور امور کو پہچانیں۔
پروردگار کا حکم ہے۔ جو ہم دوسرے کا حال دیکھ کر یا قصہ سن
کر نصیحت پکڑیں۔ اور عبرت حاصل کریں۔ فرمایا۔ ان فی ذلالت
للمؤمنین منشیٰ بے شک۔ یہ اس کے البتہ عبرت سے ڈرنے
والے کو اور فرمایا۔ ان فی ذلالت لکم منشیٰ بے شک
اس میں پتے ہیں، وصیان کرنے والوں کے لئے۔ انبیاء علیہم السلام
اور ان کی امتوں کے تھے۔ اسی واسطے قرآن مجید میں نازل
کئے گئے ہیں۔ کہ ہم اپنے حالات کو حالات سلف کے ساتھ
مطابقت کر کے دیکھیں۔ اور پھر اپنے پر سعادت اور شقاوت
کا حکم لگاویں۔ یہ نہیں کہ بطور دل لگی کے اس پر عمرہ کی داستان

سمجھ کر سرسری نظر سے دیکھیں۔ پس اگر کوئی شخص ایک
آیت کو جو پروردگار نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں
نازلی فرمائی ہے۔ اپنے پروردگار کے اور اس کے امراء
نہی اور تاکید و ترغیب کو بطور اعتبار اپنے لئے سمجھے تو بیشک
وہ شخص صاحب بصیرت اور مستحق تحسین ہوگا۔ اگر کسی پر ان
آیات کا القاء ہو جس میں خاص آنحضرت کو خطاب ہے مثلاً
لَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا نہیں کھولا ہم نے واسطے تیرے
مہینہ تیرا ولسوف يعطيك ربك فترضى قریب ہے تجھے
دے گا رب تیرا پس تو راضی ہوگا۔ فسیکفیکم اللہ کفایت ہے
تیری طرف سے ان کو اللہ فاصبر كما صبر اولو العزم من الرسل
پس تو صبر کر جیسا صبر کیا۔ اولو العزم رسولوں نے۔ واصبر نفسك
مع الذین یدعون بالعداۃ والعشی یریدون وجہہ
اور صبر دلا تو اپنے جی کو ان لوگوں کی رفاقت میں جو پکارتے ہیں۔
اپنے رب کو صبح و شام خواہش رکھتے ہیں۔ اس کی ذات کی
فصل نہ رہا۔ و انحر پس نماز پڑھ تو اپنے رب کے لئے
اور قربانی کرو لا تطع من اغفلت قلبہ عن ذکرنا و اتبع
ھدایہ اور نہ کہا مان۔ جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے
اور پیچھے لگا ہے۔ اپنی خواہش کے وجدات ضالہ فہدی
اور پایا تجھ کو بھولا ہوا۔ پس راہ دکھلایا۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب

اذکا لا حجابے گا۔ کہ انشراح صدر اور عطا اور رخصا اور انعام ہدایت
 جس لائق یہ ہے۔ علی حسب المنزلات اس شخص کو نصیب ہوگا اور
 اسرو نہی وعدہ میں اس کو آنحضرت کے حال کا شریک سمجھا جائیگا۔
 اور ایہا رب مذکورہ میں کوئی بات اس قسم کی نہیں۔ جو خاصہ ہو
 رسول مقبول کا بلکہ اور مومن بھی اس میں شریک ہیں رب العالمین
 سے ارشاد ہو الروتحرث، بد تشاؤ لتعجل بد ورتک القرآن
 ترتیل و اور ٹھہر کر پڑھ قرآن کو اچھی طرح سے ٹھہرانا اس حکم
 کے آنحضرت سے کچھ خصوصیت نہیں۔ اگرچہ خطاب خاص ہے مگر
 حکم عام اولیٰ الذین ہدی اللہ فبہذا ہم اقتدہ اور اسی
 سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین دن سے کم عرصہ میں قرآن مجید
 کو ختم مت کرو۔ اور حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما
 روایت کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تشرورہ
 نثر الدقل و لا تہدم ہذا المشعر فوا عند عجائبہ و حرمہ
 کوایہ القلوب و لا یکن ہم احدکم اخر السورۃ ترجمہ قرآن
 کو ایسے پراگندہ نہ کرو جیسے ردی کچور میں کو پھینکتے ہیں۔ اور شعر
 غزالی کی طرح اس میں جلدی نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اپنے
 دلوں کو ہلاؤ (اور پڑھتے وقت) تمہارا یہی خیال نہ ہو۔ جو کہ یہ
 سورۃ ختم ہوتی ہے۔ اور واضح ہے کہ انشراح صدر حضرت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں۔ ہر مومن صادق کو اس کے

ہر رتبہ کے موافق ان شراح صدر پر ہوتا ہے۔ اس بارہ میں بہت سی
 آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ فمن یر اللہ
 ان یرہد یدہ بشرح صدرہ لا وسلام۔ پس جس شخص کو
 چاہتا ہے اللہ جو پرہیز کرے کھول دیتا ہے۔ سینہ اس
 کا واسطے اسلام کے، فمن مشرح اللہ صدرہ لا وسلام
 فلا علی نور من سرہ کیا پس جس شخص کا کھول دیا ہے، اللہ
 نے سینہ واسطے اسلام کے پس وہ اوپر نور کے ہے اپنے
 رب سے اس مضمون کی آیات و حدیث بہت ہیں۔ اور آخرت
 میں مومنوں کو نعمتیں عطا ہوں گی۔ اور شفاعت کا اذن دیا
 جاوے گا۔ پس راضی ہوں گے۔ غرض تمام اہل ایمان کو اللہ
 جل شانہ کے فضل سے یہ رتبہ نصیب ہو گا۔ اللہ جل شانہ اس
 آیت میں نعمتوں اور رضامندی کا ذکر فرماتا ہے جزاء و ہم
 عند ربہم جنات عدن تجري من تحتها الانهار خالد
 ین فیہا ابدان رضی اللہ عنہم و رضوا عندہ بذلہ ان کا نزدیک
 ان کے پروردگار کے بارش ہوں گے۔ پس ان کے بہتے ہیں نیچے ان کے
 نہریں ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں خوش ہو اللہ ان سے اور
 وہ راضی ہوئے اس سے۔ اس مضمون کی اور بہت سی
 آیتیں ہیں۔ اور شفاعت کے باب میں فرمایا۔ شفعتہ الملائکۃ
 شفیع البیوت و شفیع المومنون و لہ بیت الا اسرارہم احیان

شفاعت کر چکے۔ فرشتے اور شفاعت کر چکے۔ انبیاء اور شفاعت
 کر چکے۔ مومن اور نہیں باقی رہا۔ مگر ارحم الراحمین اور رحیم ہیں
 اپنے۔ فالذی نفسی پیدا ماموت۔ احد عنکم باشدہنا شدہ
 فی الحق قد تبیت لکم من المؤمنین للہ یوم القیمۃ لودخولکم
 الذین فی النار پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبدر
 میں ہے میری جان نہیں تم میں سے کوئی شخص اپنے ثابت
 شدہ حق پر ایسا سخت تقاضا کرنے والا جیسے کہ مومن قیامت
 کے دن اپنے مومن بھائی کی خاطر جو گرفتار دوزخ ہو گا۔ تقاضا
 کرے گا۔ اہل ایمان کے کچھ گریے ہوئے بچے قیامت کے روز
 اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے
 ان السقط لیرغم ربہ اذا دخل البرید النار سر فیقال یا ایہا
 السقط الیرغم ربہ اذا دخل البوید الجنۃ تحقیق کیا بچہ
 البنت جھگڑے گا رب اپنے سے جس وقت اس کے مال
 باپ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پس کہا جائے گا۔ اسے
 کچھ بچے اپنے رب کے ساتھ جھگڑنے والے داخل کر تو اپنے
 مال باپ کو جنت میں۔ وہ احکام جن کے ساتھ پروردگار نے
 خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے۔ دوسری جگہ
 قرآن مجید میں اوروں کے واسطے موجود ہیں جیسا ان چھ
 آیتوں میں آنحضرت کو کفایت اور نصیر اور فاکر این کی

حجاب است اور غافلین سے نفرت اور صلوة اور قربانی وغیرہ کا
 ارشاد ہوا ہے۔ ویسا ہی مومنوں کے واسطے ان آیات میں حکم
 ہے۔ وَكَفَى الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالُ كَافِيًا ۚ سَيُجْزَى الْمُؤْمِنُونَ بِمَا كَانُوا
 يَفْعَلُونَ ۚ اِنَّا لَنَقُصِّرُ سِدْرًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلِيُؤْمِنُوْا
 بِمَا يُقُوْمُ الْاَمْرُ ۚ فَاتَّخِذُوا حَتْمًا مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اَمْرًا مِّنْ اللّٰهِ لَشَدِيْدٌ ۚ
 ایمان لانے والے لوگوں کی۔ زندگی دنیا میں اور جس دن کھڑے ہوں
 ہوں گے۔ گواہ یا ایہا الذین امنوا اصبروا و صابروا و اسطوا اے
 اہل ایمان صبر کرو۔ اور ایک دوسرے کو صبر دلاؤ اور سگے رہو۔ یا
 ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین اے اہل ایمان
 اللہ سے اور ساتھ رہو سچے لوگوں کے و لا تتبعوا اھواء قوم
 قد ضلوا من قبل اور مت چلو ان لوگوں کی مرضی پر جو گمراہ ہوئے اس
 سے پہلے و لا تطيعوا امر المفسدین اور مت پیروی کرو مفسدوں
 کے کام کی و اقموا الصلوة واتوا الزکوۃ قائم کرو تم نماز اور ادا کرو زکوۃ
 والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر اور اونٹ
 قربانی کے ٹھہرے ہیں۔ ہم نے تمہارے واسطے نشانی دین کی تمہارا
 اس میں بھلا ہے۔ دیکھو جب ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ
 رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ساتھ اور مومن بھی ان امور میں شامل ہیں
 پس اگر خطاب نبوی کو صاحب الہام بطریق اعتبار و اتعاظ
 اپنے حق میں سمجھے۔ تو کب بُرائی ہے۔ مثلاً صاحب اعتبار کے

کے خود قائل ہیں۔ صلوٰۃ میں قراتے ہیں۔ (اگر قراوت میں ہیں تو ایسا بھی لحاظ رکھو۔ محمد بن ابی الدرداء بھی یہی حال ہے تو مضائقہ نہیں۔) بھونکہ اعتبار قاریوں کے حق میں آپ کے مسلمات سے ہے۔ اس لئے ہم نے ملکہ میں کے حق میں بھی یہی تاویل کر دی۔ اگر صاحب الہام بھی سمجھے کہ خاص مجھی کو مخاطب ہے۔ تو شرعاً کچھ قباحت نہیں۔ کتاب و سنت اور اقوال علماء امت سے کچھ اعتراض پایا نہیں جاتا۔

مخاطب صلوٰۃ قرآن کے جو مخاطب ہیں عام ہیں حاضرین اور غیر حاضرین اور مولود اور غیر مولود پر جب اس آیت کا خاص ایک شخص ہی مخاطب ہو گیا۔ تو بالبداتہ قرآن سے نکل گئے۔ جب آیت قرآن سے نکل گئی۔ تو بخاری و انکنتم فی ربیب مما کی ٹوٹ گئی۔ اور دعویٰ اعجاز قرآن کا لغو بالبداتہ ہوا۔ کیوں کہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ آیت قرآن سے نہیں۔ اور اسی آیت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ فتدبروا لتفعل۔

ہذا اب۔ فلا صاحب نے جہاں ان آیتوں کے الہام سے انکار کیا ہے۔ جن میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔ اور بغیر دلیل نقلی کے اس کو منع فرمایا ہے۔ یہی عقلی دلیل بعینہ پیش کی ہے۔ کہتے ہیں اگر قرآن ہے تو مخاطب قرآن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ نہ اور کوئی

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں۔ تو پھر قرآن ہی نہیں۔ وہی شبہ لازم آئے گا۔ قرآن کی تحدی و اٹکنتم فی ربیب مما ۱۱ ٹوٹ گئی۔ کیوں کہ آیت ملقیہ سے جس کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ آیت اس آیت کی مثل بعینہ ہی ہے جس کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہاں بھی بڑے فخر اور ناز سے وہی شبہ وارد کرتے ہیں۔ ایسی برجستہ تقریر پر کیوں نہ اتر آویں۔ جناب کی ربیک علم کا سر جو شہ ہے آپ فرماتے ہیں۔ مخاطب کے بدل جانے سے کلام بدل جاتی ہے۔ کیا خوب ہوتا۔ اگر یوں کہتے (چنانچہ متکلم کے بدل جانے سے بھی کلام اور ہو جایا کرتے ہیں۔ اور جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے۔ اور کلام آہی نہیں پڑھتا۔ بلکہ خود ایک فصیح کلام بنا کر فصاحت قرآنی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور معاذ اللہ) بجائے استحقاق ثواب کے مستوجب عذاب ہوتا ہے مولوی صاحب تبدیل مخاطب اور تخصیص عام کے سبب الفاظ قرآنی قرآن سے نہیں نکلتے اور قرآن کا غیر نہیں بنتے۔ اگر مخاطب کے بدلنے سے کلام بدل جاتی۔ تو عرب کے بڑے بڑے فصیح اور بلیغ مقابلہ سے کیوں عاجز ہوتے۔ ان سے ایک سورۃ نہ بن سکی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ سارا قرآن اپنا بنا لیتے۔ مثلاً ایک

عورت مریم بنت عفان کو مخاطب کر کے کہتی یا مریم ان اللہ
 اصطفاک و طهرک واصطفاک علی نساء العالمین
 یا مریم اقتنی لہربک واسجدی واسرکعی مع المرکعین
 اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دعویٰ
 کرتے دیکھو۔ ہم نے ویسی ہی آئیتیں بنا دی ہیں۔ جیسے تم
 مریم بنت عمران کی شان میں لائے ہو۔ اور ذرا سی بات میں
 فان لم تفعلوا ولن تفعلوا کے دعویٰ کو توڑ دیتے۔ یا
 ایک شخص محمد نام آج نبوت کا دعویٰ کرے۔ اور اپنی شان
 میں یہ سراپا اعجاز آئیتیں لادے۔ ما محمد الا رسول قد خلت
 من قبلہ الرسل محمد رسول اللہ اور ایک کتاب بنا کر
 اس کے عنوان میں لکھ دے۔ ذلک الکتاب لا یریب
 فیہ و ہذا کتاب انزلنا لا یمارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر
 ولوا لباب۔ کتاب احکمت ایا ترم فصلت من لدن
 حکیم خبیر اور اپنی کتاب کو مشار الیہ ٹھہرا دے کیا وہ مدعی نبوت
 اور اس کی کتاب سچی ہو جائے گی۔ ہرگز نہیں قرآن
 مجید کے لفظوں میں اعجاز ہے۔ تا وقتیکہ کوئی شخص الفاظ قرآنی
 کے سوا اور الفاظ جمع کر کے ایک سورت یا کتاب مشل
 اس کے نہ بناوے۔ دعویٰ فصاحت و اعجاز و قرآن
 کا نہیں ٹوٹتا۔ مغالطہ ۱۴۔ اور ایک روزہ دو شخص

ایک کے رو برو لڑ رہے تھے۔ وہ شخص منع کرتا تھا۔ کہ تم لڑو نہیں۔ وہ باز نہ آئے۔ ایک نے دوسرے کا سر پھوڑ دیا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوا۔ فقال لهم رسول اللہ ﷺ فاقنہ اللہ وسقیاھا نکذبوہ فحقروھا فدم علیہم سر لہم بذنبہم فسولہا ولا یخاف عقیباھا پھر کہتا ہے میں تین روز متحیر رہا کہ یہاں ناقۃ اللہ کون ہے۔ پھر میں نے دیکھی صورت ایک کی الہام ہوا۔ پھر ناقۃ اللہ۔

ہذا ہے۔ یہاں قاعدہ اعتبار جاری کیا جائے گا۔ گویا صاحب الہام کو ارشاد ہوتا ہے کہ تو ظالموں کو ظلم سے منع کرے والا ہے۔ یا تو منع کرے گا۔ جیسا صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عقر ناقہ سے منع فرمایا تھا۔ اور ظالم و مظلوم کا وہی حال ہوگا۔ جیسا انجام کار ناقہ اور اس کے مارنے والوں کا ہوا تھا۔ اب نبوت تو باقی نہیں رہی۔ کہ صاحب الہام اپنے آپ کو نبی سمجھے۔ صرف اعتبار اور انعاظ ہو سکتا ہے۔

مخالط ہے۔ علاوہ بریں کسی صحابی یا تابعین سے ثابت نہیں۔ کہ کسی نے دعویٰ الہام کا کیا ہو۔

ہذا ہے۔ مسئلہ الہام کا حلیت و حرمت کا مسئلہ نہیں۔ جو اس کا نبوت صحابہ و تابعین سے ضرور ہونا چاہیے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اسی دم تک اگر کسی

نے بھی دعویٰ نہ کیا ہو۔ اور آج ایک شخص متفق صلح صادق
دعویٰ کرے۔ جو مجھے الہام ہوتا ہے۔ اور مجھے غیب سے
آواز آتی ہے۔ تو ہم اس کو سچا جانیں گے۔ اور بحکم
شریعت تمام اہل اسلام پر لازم ہے۔ کہ اس کو سچا سمجھیں۔
جناب پیغمبر خدا صلعم مومنوں کا اعتبار کرتے تھے۔ اللہ جل شانہ
فرماتا ہے۔ وَلَیْسَ مِنَ الْمَوْصِنِیْنَ۔ اگر گھوڑا کھوں میں سے ایک
شخص کس طرح اس رتبہ کو پہنچ گیا۔ ہم کہیں گے یہ امداد
غیبی ہے۔ صاحب الہام کا اس میں کچھ اختیار نہیں مختص
برحمۃ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ جزوی تفصیلت
ادنے کو اعلیٰ پر ہو سکتی ہے۔ اگر ملحقین سے کوئی شخص
اپنے کے نزدیک لائق الہام نہیں تو اس شخص پر آپ اعتراض
نہ فرمادے۔ آپ کو چاہیے ایک نالش صاحب ملکوت السموات
والارض کے حضور میں اس مضمون کی دائرہ کریں۔ اسے احکم
الحاکمین تو عادل ہے۔ کمترین کی پھر پچاس سے تجاوز کر گئی۔
کبھی دولت الہام سے اس کو حصہ نہیں ملا۔ بلکہ آج تک
یہ کیفیت بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اس آخری زمانہ میں اس
غلام کے ہمعصروں میں سے بعضوں کو تو نے مالا مال کر دیا
ہے۔ فدوی اپنے دل کی کیفیت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔
تو خود دانا بدینا ہے۔ جس طرح ہر سکے میرا انصاف فرما۔ استغفر اللہ

نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے انسؓ سے روایت کیا ہے۔
 قال قال عمر وافقت ربی او وافقتی ربی فی الربع نزول
 هذه الایاتہ۔ کہا حضرت انسؓ نے فرمایا عمرؓ نے موافق ہوا
 میں اپنے رب سے چار چیزوں میں نازل ہوئی یہ آیت ولقد
 خلقنا الانسان من سلاۃ مت طین۔ کہا حضرت عمرؓ نے
 فلما نزلت پس جب کہ نازل ہوئی یہ آیت قلت میں نے
 کہا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین پس پڑھنے والے نے نازل
 کیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین اور روایت کی عبدالرحمن
 ابن ابی لیلی نے ان یہودی یا لقی عمر بن الخطاب فقال
 ان جبرئیل ومیکائیل فان اللہ عدد ولدا کافرین قال
 فنزلت علی لسان عمر تحقیق ملا۔ ایک یہودی عمر بن الخطاب
 سے پس یہودی نے کہا فرشتہ جبرئیل جس کا ذکر کیا کرتے
 ہیں۔ تمہارے صاحب ہمارا دشمن ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے کہا۔
 من کاف عدو اللہ ملا یکچہ ورسلا وجبرئیل ومیکائیل
 فان اللہ عدد ولدا کافرین پس نازل ہوئی آیت جیسی کہ عمرؓ
 کی زبان سے نکلی تھی۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ حضرت کی بشارت عمر فاروق
 کے حق میں پوری ہوئی۔ اسرار غیب ان کی زبان پر جاری ہوئے۔
 ملائکہ اور سکینہ ان کے منہ پر طوح کے یوں۔ کیوں کہ لغیر الہام
 غیبی کے ایسے کلام بنانا ناممکن و محال شرعی ہے۔ علاوہ بریں

مُلا صاحب نے چند وجہ سے ان آیتوں کا ترجمہ کو الہام ہونے سے انکار کیا ہے۔ ہم ہر ایک شبہ کو معہ جواب لکھتے ہیں۔ (دوہ اول)

مغالطہ ۱۹۴۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ مجھ کو مطلق الہام آیات کا انکار نہیں کیا معنی کہ الہام چیز سے در دل انداختن ہے اگر کسی کے دل میں کوئی آیت یاد آجائے تو مضائقہ نہیں۔ **ہدایہ**۔ (یاد آنے کا) اطلاق اس جگہ کر سکتے ہیں۔ جہاں ایسی صورت ہو کہ ایک آیت نازل شدہ کسی شخص کو اول یاد تھی۔ پھر بھول گیا۔ اب دوبارہ اس کو یاد آگئی۔ ہم وہ مثالیں لکھ چکے ہیں۔ جن میں صراحت ہے۔ کہ ہنوز آیتیں نازل نہ ہوئی تھیں۔ اور امیر المومنین عسکریؑ پر ان کا الہام ہوا۔ (وجہ دوم)

مغالطہ ۱۹۵۔ قبل از نزول قرآن یہ کلمہ اس کو القاء ہونے لگا۔ قرآن کا القاء اس کو نہیں ہوا۔ کیوں کہ قرآن اس وقت نہیں تھا۔ جب وہی رسول اللہ پر لے کر آیا تب کلام اللہ تھا۔

ہدایہ۔ قرآن مجید حضرت پر نازل ہونے سے پہلے بھی کلام الہی تھا۔ اور کلام معجز تھا۔ حضرت پر نازل ہونے کے سبب اعجاز کی صفت اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ کیا قرآن مجید بشر پر اترنے کی جہت سے اعجاز کی صفت رکھتا ہے۔ نہیں بلکہ کلام الہی ہونے

کے سبب وہ معجز ہوئے اور قرآن مجید اس وقت سے کلام الہی ہے جس وقت رسول کریم صلعم نبی ہو کر دنیا میں نہ آئے تھے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: **شَهِرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ** مہینہ رمضان کا وہ ہے جس میں اتارا گیا ہے قرآن۔ انا انزلناه فی لیلة القدر ہم نے نازل کیا۔ قرآن کو شب قدر میں۔ بلکہ حضرت پر نازل ہونے سے پہلے ایک ہی رات میں جو ماہ رمضان کی شب قدر تھی۔ سارا قرآن ایک ہی دفعہ لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر جس کو سماء دنیا کہتے ہیں۔ نازل ہوا۔ اور سماء دنیا پر نازل ہونے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ فرمایا **اِنَّ الْقُرْآنَ كَرِیْمٌ فِی كِتَابٍ مَكْنُوْنٍ** یہ قرآن ہے۔ عزت والا لکھا ہوا۔ جیسے کتاب (لوح محفوظ) میں بل ہر قرآن مجید فی لوح محفوظ بلکہ وہ قرآن ہے۔ بزرگ (لکھا ہوا) لوح محفوظ میں۔ فی صحف مكنونہ **سُورَةُ مَطْهَرَةٍ** بایدی سفرۃ کرامہ **سُورَةُ قُرْآنٍ** مجید، لکھا ہوا ہے۔ بیچ ادراق کے جو عزت والے ہیں۔ بلند اور پاک جو ہاتھوں میں ہیں۔ کاتبوں بزرگت اور نیک کے۔ اور روایت کی ابن انصریس اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اور صحیح کہا ہے۔ اس کو ابن ابی حاتم نے اور روایت کیا ہے۔ ابن مردودہ نے اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت انا انزلناه فی لیلة القدر کی تفسیر میں

قال انزل القرآن في ليلة القدر جملة واحدة من الذكر
 الذي عند رب العزرة حتى وضع في بيت العزرة في سماء
 الدنيا ثم جعل جبرئیل ينزل على محمد بحجاب كلام العباد
 واحمالهم فرمایا ابن عباس نے نازل ہوا قرآن مشب قرار میں
 ایک ہی رات میں سارا اس کتاب میں سے جو پاس رب العزرت
 کے ہے۔ یہاں تک جو رکھا گیا۔ بیت العزرت میں جو نچلے آسمان
 میں ہے پھر جبرئیل لے کر اترتے رہے۔ محمد صلعم پر بندوں کی
 باتوں اور غلوں کے جو اب میں ملا صاحب آپ ہی انصاف فرمادیں۔
 کہ جس صورت میں متکلم نے اپنے علم میں کسی کو مخاطب ٹھہرا
 کر ایک کلام کی۔ اور اپنے دفتر میں لکھ رکھی۔ مگر اپنے قاصد کی
 نہ بانی سرسل الیہ کو نہ پہنچائی۔ کیا جب تک وہ کلام قاصد کے
 ذریعہ سے نہ پہنچائی جائے۔ وہ اس متکلم کی کلام نہ کہلائے گی۔
 کیا آپ کی عقل کا یہی مقتضایہ ہے۔ یا آپ ضد میں آکر ایسی
 باتیں کرتے ہیں۔ ام قامہ ہم احلہ ملہم بہذا ام ہم قور طاشون
 اگر یہ قاعدہ تسلیم کیا جاوے۔ (کہ جب تک کلام بواسطہ رسول
 ادا نہ کی جاوے۔ وہ متکلم کی کلام نہیں ہو سکتی) تو لازم آئے گا کہ
 سوائے قرآن مجید اور تورات و زبور و انجیل اور ان صحیف
 کے جو بواسطہ جبرئیل آمین انبیاء علیہم السلام بہ نازل ہو چکے ہیں۔
 اور کچھ کلام الہی نہ ہو۔ حالانکہ یہ ورد گار فرماتا ہے۔ قل لو کان

البحر مداد الكلمات ربی لتغنى البحر قيل ان تنفذ كلمات
ربی ولوحبنا بمثلہ مددا تو کہہ اگر سمندر ہو سیا ہی واسطے
(لکھنے) میرے رب کی باتوں کے البتہ نیٹ چکے سمندر پہلے
ختم ہونے میرے رب کی باتوں کے۔ اگر دوسرا بھی لادیں ہم ویسا
ہی اُس کی مدد کو۔ افسوس آپ فخر سے ایسے قواعد وضع کرتے
ہیں۔ جو صریح آیتوں کے مخالف ہیں۔ (وجہ سوئم)

مغالطہ ۱۶۸۔ یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہوتی۔ کہ
ان لوگوں کی بھی کلام تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعینہ ہی اتاری۔
صلی علیہ وسلم۔ کیوں نہیں صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ
جو ان لوگوں کی کلام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بعینہ وہی نازل فرمائی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلعم کے ازواج مطہرات
سے کہا۔ عسی رید ان طلقن ان یبدلہ ازواجاً خیراً
ممكن فانزلت كذلك پس اسی طرح الفاظ نازل ہوئے۔
اور فرماتے ہیں۔ میں نے کہا فتبارک اللہ احسن الخالقین
پس اسی طرح خدا نے نازل فرمایا۔ اور عبدالرحمن نے اس
مطلب کو بصراحت تمام ادا کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قلزلت علی
لسان عمر آیت ان الفاظ سے نازل ہوئی۔ جو الفاظ نہ
رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری ہوئے تھے۔ ان روایتوں سے
ان الفاظ (جو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری ہوئے تھے) اور

آیات کے ایک ہونے میں کچھ شک نہیں رہتا۔ آپ دانستہ
ایسی مثالیں لائیں ہیں جن میں احتمال باقی رہے۔ اور بے علم
وہو کا کھائیں۔ (وجہ چہارم)

مغالطہ ۱۶۹۔ وہ کلام جو ان کے منہ سے نکلی۔ آگے اتری
ہوئی نہیں تھی۔ اور کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں تھی بطور
بولی اپنی کے انہوں نے اپنے منہ سے نکالی۔

ھل اپنا۔ کیا خوب آپ اس بات کے بھی قابل ہیں۔
جو ایک عرب کا رہنے والا آدمی اپنی بولی اور محاورہ کے موافق
قرآن مجید کی سی آیتیں بنا سکتا ہے۔ اس کا ارادہ تو آید و مروان
چنین نکند۔ آپ ابھی دہائی دیتے تھے۔ کہ جو آیتیں قرآن مجید
میں نازل ہو چکی ہیں۔ اور لوگ لاکھ دفعہ ان کو پڑھ بھی چکے
ہیں۔ ان آیتوں کا بھی الہام اور القا ہونا جائز نہیں۔ کیا
وجہ جو الہام کے سبب وہ آیت قرآنی نہ رہے گی اور
یہ قباحست لازم آئے گی۔ جو وہ الہام اعجاز میں آیت قرآنی
سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ اب خود اس بات کے مقرر ہو گئے۔ کہ
لوگوں کی بے تکلف بول چال بھی قرآن مجید کی سی ہوتی تھی۔
من حضر لا خید وقع فیہ اس صورت میں اعجاز قرآن مجید
کا باطل ہو گیا۔ جو چاہے۔ ویسی کلام بنائے۔ اور ایک سورۃ
کیا پچاس سویتیں مرتب کر کے۔ فالو السورۃ من مثله

کا مقابلہ کرے۔ مغلطہ ۱۷۔ اگر کسی نے دعوے کیا بھی ہو۔ اور کوئی صحاح سے ثابت کر دے۔ تو اس پر بھی اعتراض آوے گا۔ خواہ صحابہ ہو یا تابعین وغیرہم۔

ہذا یہ۔ بعضین ہدایت نمبر ۱۴۳ بحث تخری و اعجاز میں ہم اس اعتراض جواب مفصل لکھے چکے ہیں۔ ملاحظہ صاحب کو صحابہ اور تابعین کا طریقہ پسند نہیں۔ اس لئے بڑی جرأت سے اُن پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور بڑی نفرت سے کہتے ہیں۔ (خواہ صحابہ ہو یا تابعین وغیرہم)

مغلطہ ۱۸۔ اس مقام پر اگر کوئی اتفاق کرے۔ کہ صحاح ستہ میں وارد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت افتتاح صلوٰۃ آیت وجہت وجہی الیک، آخر تک بڑھتے تھے۔ اور اپنی کلام سے ملاتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو تکلم ٹھہراتے تھے۔ تو اس پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ قرأت قرآن کی نماز میں یا غیر نماز میں نقل و حکایت ہے۔

ہذا یہ۔ واہ یہ حافظ اور دعوے اجتہاد کا الی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض کو آپ وجہت وجہی الیک لکھتے ہیں۔ یہی خواہی امید ملک واری اگر کوئی شخص بوقت دعا اور سوال کے یا بہ نیت انکسار عجز اور خلوص کے وہ

آئیتیں جن میں اس قسم کا مضمون ہو پڑھے اور اپنے آپ کو مراد رکھے۔ تو عند الشروع بے شبہ جائز ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام دعا اور تضرع میں آیات قرآنی پڑھتے۔ اپنی ذات مبارک کو مراد رکھتے۔ چنانچہ ان روایات سے جن میں اس قسم کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ ہمارے بیان کی صداقت پائی جاتی ہے۔ مثلاً صاحب کا قول (کہ قرأت قرآن کی نماز میں یا غیر نماز میں نقلاً و حکایت ہے) صحیح ہے مگر دعا اور تلاوت میں فرق ہے۔ تلاوت اور قرأت کے وقت جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ یہ سبیل حکایت ہوتا ہے۔ برخلاف دعا اور سوالی کے وقت اگر دعا مانگنے والا آیت متضمن معنی دعا بطریق حکایت (غیر شخص کا قصہ سمجھ کر) پڑھتا رہے۔ اور اپنے آپ کو مراد نہ رکھے تو فرمایئے کیا فائدہ مقام افتتاح صلوٰۃ دعا اور تسبیح و تہجد کی جگہ ہے۔ نہ تلاوت اور قرأت کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرتے۔ بنیت انکسار و اظہار اخلاص کے یہی آیت دو بہت و جہی پڑھتے۔ اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ نماز تہجد میں تمام رات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی آیت پڑھتے تھے۔ ان تعدلہم فانکم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم حضرت شفیع المذنبین گنہگار ان امت کے حق میں دعا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ اگر تو ان کو عذاب کرے۔ پس تحقیق

وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو مغفرت کرے۔ ان کے لئے پس تحقیق تو ہے زبردست حکمت والا حالانکہ پروردگار نے قرآن مجید میں خبر دی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کلمات سے میدانِ حشر میں تضرع اور دعا کریں گے اور صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں ایک روایت ہے۔ جس سے ہمارا مطلب کمال صراحت سے ثابت ہوتا ہے۔ وان انا سابلوخذ بهم ذات الشمال فاقول كما قال العبد الصالح وكنتم عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد ان تعذ بهم فالتهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم اور تحقیق کچھ لوگوں کو پکڑ کر بائیں طرف لے جائیں گے۔ یعنی قیامت کے دن۔ پس میں کہوں گا۔ جیسا کہ خدا کے نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام نے میں ان کا شاہد حالِ عقا۔ جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پس جب تو نے اٹھالیا۔ تو ہی تھا نگویاں ان پر۔ اور تو ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔ اگر تو ان کو عذاب کرے۔ پس وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو مغفرت کر دے۔ پس تو غالب حکمت والا۔ اور جناب پیغمبرِ اسلام نے فرمایا۔ لم یبدع بھارجل مسلم فی شیء الا استجاب له رواہ احمد والترمذی ووعائے یونس علیہ السلام اہمیت کہ نیکو کے نام سے مشہور ہے) نہیں پکارا ساتھ اس کے

کسی مسلمان شخص نے مگر قبول ہوا واسطے اس کے۔ روایت
 کیا اس کو احمد اور ترمذی نے پروردگار نے یحییٰ علیہ السلام
 کے قصہ میں حکایتاً اس دعا کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آنحضرت تمام
 دعا کرنے والے مسلمانوں کو اجازت دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں
 کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔ اور جنگ خیبر میں جب آپ دشمنوں
 کی سرزمین میں اترے تو اس وقت یہ کلمات فرمائے انا انا
 اخذنا بسا حتم فوج فساد صباح المندسین تحقیق جس وقت
 ہم اُن اترتے ہیں کسی قوم کے میدان میں پس مصیبت کا دن
 نکلتا ہے ڈرائے گئے لوگوں پر۔ قرآن مجید میں مشرکان مکہ کو وعید
 ہے۔ تم عذاب الہی پر دیری مت کرو۔ ہمارا مذہب ایسا ہے اذ انزل
 بسا حتم فساد صباح المندسین جس وقت اتر پڑے گا عذاب
 اُن کے میدان میں پس بڑی مصیبت کی صبح ہوگی۔ ڈرائے گئے
 لوگوں کی۔ اصل آیت میں لفظ نزول غائب کا صیغہ تھا۔ جس
 کا فاعل ہے عذاب۔ آنحضرت نے نزولنا جمع متکلم کا صیغہ فرمایا۔
 اور ضمیر جمع کو فاعل بنایا۔ اور ایسا لفظ ہم (ضمیر جمع متکلم غائب) کو
 جو راجع ہے۔ طرقت کفار مکہ کے حذف کر کے اس کی جگہ قوم فرمایا۔
 اور اہل خیبر کو مراد رکھا۔ اور خلیفہ ثالث امیر المومنین عثمان رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ نے بحالت محاصرہ دیوار پر سے سر نکال کر باغیوں کو
 مخاطب کر کے فرمایا۔ یقوم لا یجزم منکم شقائی ان یصیبکم مثل

ما اصاب قوم لوح او قوم هود او قوم صالح وما قوم لوط من
کم بعین رواہ ابن ابی شیبہ اسے میری قوم نہ کما میری ضد سے
ایسی چیز سے جس سے پہنچے تم کو (عذاب) جیسا پہنچا لوح علیہ
السلام اور ہود کی قوم اور صالح کی قوم اور لوط علیہ السلام کی
قوم تم سے کچھ دور نہیں۔ روایت کیا ہے اس کو ابن ابی شیبہ
نے۔ قرآن شریف میں ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو
اس سے مخاطب فرمایا تھا۔ اور خلیفہ ثالث نے محمد بن ابی بکر اور
ان کے ساتھیوں کو خطاب کیا۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے
امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کے پیچھے یہ بات کہی بالعتہ
ایدینا ولمرتبا لعل قلوبنا اس کے ساتھ ہمارے ہاتھوں نے بیعت
کی ہے۔ اور ہمارے دلوں نے بیعت نہیں کی۔ آپ نے سن کر فرمایا۔
فمن نکث فانا نیکت علی نفسه ومن اوفی بما عاہد علیہ اللہ
فسیؤنیہ اجر اعظیما پس جو شخص عہد توڑے گا۔ پس سولے اس
کے نہیں کہ بد عہدی کرے گا۔ اور پر نفس اپنے کے اور جو کوئی پورا
کرے۔ جس پر اقرار کیا اللہ سے وہ دے گا ثواب اس کو بڑا۔ یہ آیت
بیعت الرضوان والوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ خلیفہ چہارم نے
اپنی بیعت والوں کے حق میں پڑھی صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو
موسیٰ نے کسی شخص کو ایک مسئلہ میں فتویٰ دیا۔ اور شخص کو کہا جاؤ
حضرت ابن مسعود کے پاس وہ بھی میرے فتویٰ کے موافق فتویٰ دیا۔

جب وہ شخص ابن مسعود کے پاس آیا۔ اور ابو موسیٰ کی بات اس کو سنائی۔ ابن مسعود نے کہا۔ قد ضللت اذا وصا انا من المہذبین اقصىٰ فیہا بما قضیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث یعنی تحقیق گمراہ ہو جاؤں میں (اگر ابو موسیٰ کے موافق فتویٰ دوں، اور نہ ہوں میں براہ پانے والوں میں سے میں حکم کروں گا۔ وہ جو حکم کیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھو قرآن میں قد ضللت کے متکلم رسول اللہ ہیں۔ اور ابن مسعود نے اپنے آپ کو متکلم کر دیا۔ قرآن و حدیث میں ایسی مثالیں بہت پائی جاتی ہیں۔ اگر سب کو لکھیں تو ایک دفتر بن جائے۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ ہمارے ملا صاحب نے پہلے یہ قاعہ وضع کیا تھا۔ جو سب ذکر اور دعا توفیقی ہیں۔ یعنی انہیں الفاظ کے ساتھ دعا کرنی جائز ہے۔ جو الفاظ قرآن و حدیث میں آگئے ہوں۔ مثلاً لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اب فرماتے ہیں کہ دعا ماثورہ پڑھتے وقت اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مراد رکھے گا۔ تو گنہگار ہوگا۔ مثلاً سر بنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا ونرحمنا لنکون من الخاسرین۔ رب انی مسنی الصبر وانت احکم الراحمین۔ رب لا تذر فی فردی وانت خیر الوارثین۔ جو شخص ان دعاؤں کو پڑھے۔ تو یہ سمجھے کہ میں حضرت آدم اور حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہم السلام کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ اور اپنے لئے جناب الہی سے کچھ نہیں چاہتا۔ غرض دعائے ماثورہ و غیر ماثورہ سب سے لوگوں کو روکنے

ہیں۔ ہم ایسے مجتہد کے حجت میں دعا کرتے ہیں۔ جو خدا اس کو ہدایت کرے۔ **مغالطہ ۲**۔ ایسا ہی اور بعض ادعیات حکایتا ہی ہیں۔ جیسا کہ التحیات کیوں کہ اگر حکایت نہ ہو۔ تو التحیات میں خدا و خطاب واقع ہے۔ جیسا کہ السلام علیک ایہا النبی اور خطاب حاضر کو ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں بلکہ حیات ہی نہیں۔ اگر اس کو حکایت شب معراج کا پڑھنا نہ مقرر کریں۔ تو اسس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ ایک خطاب غیر موقع دوم کلام فی الصلوۃ یہ مفید صلوۃ ہے۔ اسی واسطے علماء و تہذیب کی ہے۔ کہ اس کا پڑھنا حکایت ہے۔ اس مسئلہ کو شیخ عبدالحق نے اپنی تصانیف میں مصرع لکھا ہے۔

ہاں آپ۔ ملا صاحب آپ کو اور شیخ عبدالحق کو کیوں کر معلوم ہوا۔ کہ شب معراج میں بطور رازہ و نیاز کے الفاظ التحیات کے پڑھ گئے تھے۔ اور اب امت محمدی کو بطور حکایت پڑھانے کا حکم ہے۔ شاید آپ اور شیخ صاحب اردلی میں آنحضرت کے ساتھ گئے ہوں گے۔ چشم دیدہ حال آپ بیان کیے ہیں ورنہ اس قصہ کی صداقت پر کوئی سند معتبر لائیے۔ آپ نو صحاح پر عمل کرنے والے ہیں۔ کسی صحیح سند سے ثابت کیجئے۔ نہ ہو سکے تو روایت حسن یا ضعیف ہی لائیے۔ مگر اتنا خیال ہے جو کتب متداولہ حدیث کا سوال دیا جاوے۔ ورنہ شیخ جیسے متاخرین

کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قصہ بالکل غلط ہے۔ کسی محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا۔ ایسی بے اصل بات کا نقل کرنا گویا اللہ اور رسول پر بہتان باندھنا ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔ بالشرکذبا ان یحدث یکل ما سمع آدمی کی دروغ گوئی کی یہ کافی علامت ہے۔ جو کچھ کسی سے سنا آگے کہہ دے۔ اس حدیث کا مقصد یہ ہے، کہ آدمی بازاری گیوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور افواہی باتوں کو نقل نہ کرتا پھرے۔ لوگ ناقص کے اعتبار پر اس بات کو سچ جانتے ہیں۔ حالانکہ دراصل وہ بات بھوٹی ہوتی ہے۔ ملا صاحب نے کسی معراجنامہ پڑھنے والے سے یہ قصہ سن کر نقل کر دیا ہے۔ اور دل میں یہ سمجھ لیا۔ افواہ خلق نقارۃ خدا، ایسی مشہور بات کی کچھ تو اصل ہوگی صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم ہم لوگوں کو قرآن مجید کی طرح التحیات سکھاتے اور ہم آنحضرت کے ایام حیات میں السلام علیک ایہا النبی کہتے تھے۔ اور بعد وفات کے السلام علی النبی کہنے لگے۔ بھلا اگر صحابہ کرام بہ سبیل حکایت پڑھتے ہوتے۔ تو کاف خطاب کو کیوں ترک کرتے۔ نقل میں تعرف جائز نہیں ہوتا۔ باقی جواب یہ ہے۔ کہ جو لوگ بعد رحلت حضرت رسالت مآب کے السلام علی النبی بغیر کاف خطاب کے پڑھتے تھے۔ ان پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔

نہ غائب کو خطاب نہ کلام فی الصلوٰۃ - المتبہ یا راہن نبی صلعم
 میں سے جو لوگ با یام قیامت دنیا اور نیز بعد از رحلت بطرف
 فلا اعلیٰ کاف خطاب سے السلام علیک کہتے رہے۔ اُن پر آپ
 معترض ہو سکتے ہیں۔ پس اُن کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک نماز
 میں کلام کرنا منع ہے۔ مگر جہاں اللہ اور رسول کا حکم ہو وہاں
 کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ وہ بولنا ہی عین عبادت ہے۔ چنانچہ ابی
 بن کعب نماز پڑھتے تھے۔ اور آنحضرت نے ان کو آواز دی۔
 حضرت ابی اپنے آپ کو معذور جان کر چپکے ہو رہے۔ نماز
 سے فاتحہ ہو کر حاضر خدمت شریف ہوئے۔ اور عذر بیان کیا۔
 آنحضرت نے فرمایا۔ تو نہیں جانتا یا اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔
 یا ایہا الذین آمنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعا کما دے
 اہل ایمان میں کرو تم اللہ اور رسول کے سامنے جس وقت
 وہ تمہیں پکاریں۔ ایسا ہی التحیات میں اگر تکلم پایا جاتا ہے۔ تو
 کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ دعا خود رسول اللہ صلعم نے قرآن مجید
 کی طرح لوگوں کو سکھائی ہے۔ جب رسول خدا اجازت گفتگو
 کی دیوں۔ تو پھر مانع کون ہے نہ با خطاب غائب یا مینت اس
 کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک حقیقتاً رسول خدا صلعم حاضر اور
 زندہ نہیں ہیں۔ مگر حکماء ہیں۔ البوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں
 ما من احد یسکم علی الارض الا رد اللہ علی روحی اذ علیہ السلام

جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے۔ اس وقت اللہ مجھ پر شانہ میری
روح مجھ پر لوٹتا ہے۔ اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔
پس جبکہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے، اور آپ ہم کو جواب
بھی دیتے ہیں۔ تو یہ خطاب غیر محل نہ ٹھہرا اور دوسری روایت میں
ہے۔ ان لله ملائکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من
امتی السلام مرواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم
وصحیحہ۔ تحقیق اللہ کے فرشتے ہیں۔ سیر کرنے والے زمین میں
مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ میری امت کی طرف سے سلام روایت کیا۔
اس حدیث کو نسائی نے اور ابن حبان نے روایت کیا۔ اپنی
صحیح میں۔ اور حاکم نے روایت کیا۔ اور صحیح کہا۔ ان دونوں حدیثوں
کی رو سے اگر کوئی شخص نماز میں یا خارج از نماز بوقت درود یا
سلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکماً مخاطب سمجھے۔ تو بیشک
جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
بحالت خطبہ منبر پر بڑھ کر صحابہ کبار کی ایک جماعت کے روبرو
لوگوں کو التحیات پڑھنا بتلایا۔ اور اس میں لفظ سلام کا ف
خطاب کے ساتھ یعنی السلام علیک سکھلایا۔ کسی صحابی نے
اس پر انکار نہ فرمایا۔ گویا تمام صحابہ کا اس پر اتفاق اور اجماع
ہوا صحابہ نے حیرت ہے کہ ملا صاحب اجماع صحابہ پر اعتراض کرتے
ہیں۔ اور پھر اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حاضر

نہیں۔ بلکہ حیات ہی نہیں۔ ناظرین انصاف پسند ملاً صاحب کے
 ان دونوں اعتراضوں کو زیرِ نظر رکھ کر اس قصیدہ نعتیہ کو ملاحظہ
 فرمادیں۔ جو آپ نے اپنے رسالہ کے آخر میں الحاق کیا ہے اس
 میں کہیں آپ سلام سے آنحضرت کو مخاطب کرتے ہیں۔ کہیں اور
 کلام سے بگنی کوئی پوچھے یہ خطاب کس قسم کا ہے۔ اگر شعر گوئی کے قوت
 حقیقتاً رسول اللہ صلعم کو حاضر اور سمیع جان کر مخاطب کرتے ہو۔
 تو شرک صریح لازم آئے گا۔ آخر یہی کہو گے۔ ہم نے شعراء کے قاعدہ
 کے موافق رسول اللہ کو حاضر و سمیع فرض کر لیا ہے۔ گو حقیقتاً ایسا
 نہیں۔ پس جو کام بتقلید شعرا آپ کے لئے جائز ہو جاتا ہے۔
 کیا باتباع سنت سفینہ نبویہ اور باقتدار اصحابہ کرام رضوان اللہ
 علیہم اجمعین ہمارے اور آپ کے حق میں جائز نہیں ہو سکتا۔
 ملاً صاحب نے اس قصیدہ میں شاعری کا بڑا زور دکھلایا ہے۔
 سپرچ پوچھو تو گویا شاعری کی طمانگ توڑی ہے۔ نظم نامیزوں تاقیہ
 نثار۔ بہت سے عربی الفاظ غلط۔ ہم اس موقع پر اگر پورا تعجب
 کریں۔ تو ایک ایسی ہی اور کتاب بن جاوے۔ جو مکہ ہمارے
 مبحث سے یہ بات خارج ہے۔ اور ناظرین رسالہ کے اوقات
 بوقتِ مطالعہ ناحق ضائع ہو گئے۔ اس لئے ہم صرف ان غلطیوں
 کا ذکر کرتے ہیں۔ جو احکام شرعیہ کے خلاف ہیں۔ مثلاً کلمات
 مشرک، تزکیہ نفس، تضلیل اہل سنت و الجماعت تاکہ طالب الحق

کلماتِ مشرک نہ بان نہ لادیں۔ اور آئیمہ دین کو منسوب بفضلا لت
 نہ کریں۔ ملا صاحب جیسے اپنے منہ سے میاں معصوم نہیں ہیں ویسے
 ہی انہیں معصوم صفت نہ سمجھ بیٹھیں۔ بلکہ اس آیت کریمہ کا
 لحاظ رکھیں۔ وَالشعر ایتبعہم الغان والی قولہ والہم یقولون
 صالہ یفعلون شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ پہلے ہوئے لوگ اور
 شاعر وہ بات کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ اول آپ بسم اللہ کرتے
 ہی فرماتے ہیں رہ بخان و دودہ دانش فرود نشو و نما
 نہ نور علم و عقل کرد گوہر م یکتا !!

ہم کو خاندان عقل و دانش میں ترقی بخشے۔ علم کامل اور اعمال
 صالح کے نور سے میرا وجود بیکتا اور تمام زمانہ میں بے نظیر کر دیا۔
 سبحان اللہ ہم ایسے اور ہم ویسے خاندان دانش کون جن کو
 آپ خود ہی گرفتار عیش و سرور و بدعت جانتے ہیں۔ اور ہمیشہ
 رد کرتے ہیں۔ آج وہی اپنی ذات پر صفات کے سبب علم و
 دانش کا گھڑبھڑا اور جائے فخر ہو گیا۔ خیر ہمیں اس سے کیا غرض
 نیک ہوں یا بد ان آیات قرآنی اور ملا صاحب کی لٹ ترائی
 کو دیکھنا چاہیئے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ہوا علم بکم اذا نشا
 کم من الارض واذ انتم اجلثتم فی بطون امہا تکم فلا تزکوا
 انفسکم ہوا علم بکم اتقی وہ خوب جانتا ہے۔ تم کو اس وقت
 سے جب سے تمہیں پیدا کیا زمین میں سے اور جب کہ تم تھے بچے

اپنی ماؤں کے پیٹ میں۔ پس پاک نہ ٹھہراؤ تم اپنے آپ
کو وہ خوب طرح جانتا ہے۔ ان لوگوں کو جو متقی ہیں۔ اور فرمایا
المر ترالی الذین یزکون انفسہم بل اللہ بزرکی صفت
لیشاء کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو پاک بتلاتے
ہیں۔ اپنے آپ کو بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔
دیکھو یہ شعر ان آیات کے خلاف ہے یا نہیں جس بات
سے خداوند کریم نے روکا۔ ہمارے بہادر شاہ نے اسی
کا دعویٰ کیا کالائے بدریش شاہوند کریم آگے چل کر کہتے ہیں۔
زبیتہ کفر و ضلالت زراہ فسق و فجور و بریری و بھوانی بری نمود و جدا
کفر اور گمراہی کے جنگل اور فسق اور فجور کی راہ سے بڑھ چکے اور
بھوانی میں بری اور جدا رہا ہوں۔ صراح میں لکھا ہے۔ فسق بیرون
شدن بندہ از فرمان پس جس نے حکم سے باہر قائم رکھنا فرمان
اور گنہگار ہوا۔ آپ کو کمال علم و عمل کے سوا عصمت کا بھی دعویٰ
ہے۔ فرماتے ہیں۔ کبھی ہم نے گناہ کیا۔ کبھی عقائد باطلہ کے
سبب گمراہ نہیں ہوئے۔ جیسے ہوش سنبھالا۔ سنبھلے ہی رہے انبیاء
علیہم السلام معترف بذنوب تھے۔ معافی مانگتے رہے اور خداوند
کریم نے ان کو مغفرت کی خوشخبری دے کر تسلی بخشی چنانچہ
فرمایا۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر
تاکہ اللہ بخشنے تیرے اگلے پچھلے گناہ باقی تمام اہل ایمان خائف

ہیں۔ اپنے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں۔ معافی چاہتے
 ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پکڑے وہ کون پکڑے جو کبھی دائرہ حکم
 سے باہر نہیں نکلا۔ اگر فلا صاحب اپنے نفس سے ایسا ہی حسن
 ظن رکھتے ہیں جیسا انہوں نے یہاں بیان فرمایا ہے۔ تو غالباً
 توبہ و استغفار نہ کرتے ہوں گے۔ اسی اپنے رسالہ کے اول میں
 لکھتے ہیں کہ جب مجھے رسالہ قول سدید ملتا تھا۔ تب طریقہ
 عمل بالحدیث نصیب ہوا۔ اور رسالہ حمویہ دیکھ کر وہ باطل عقاید
 زائل ہوئے۔ جو مدت العمر سے نقش خاطر تھے۔ یہ دونوں رسالے
 جناب کو اس بڑے صاحب کی عمر میں دستیاب ہوئے ہیں واللہ
 اعلم پھر کس وجہ سے ایام جوانی کی نیکی بختی اور ضلالت کی نفی
 جتلاتے ہیں۔ کیا عقاید باطلہ جو مرکز خاطر تھے۔ وہ ضلالت نہ
 تھی۔ سویم ان شعروں میں آپ تمام اہل سنت والجماعت کو گمراہی
 سے منسوب کر کے فرماتے ہیں۔ بجان نفور ز اہل مذاہب سستی۔
 کہ غرق بحر ضلالت اندھ حرق نار ہو اور نہ شافعی نہ حنفی نہ مالکی مذہب
 نہ نقشبندی و چشتی و نیکو کذا۔ کہتے ہیں ہمیں بدلی و جان نفرت
 ہے۔ مختلف مذہبوں سے جو گمراہی کے دیہ یا میں غرق ہے اور
 اور ہوائے نفسانی کی آگ سے جلے ہوئے۔ نہ میں شافعی ہوں۔
 نہ حنفی نہ مالکی مذہب نہ نقشبندی ہوں نہ چشتی نہ ایسا اور ویسا
 حقارت کو اتباع سے بہت نفرت ہے۔ اپنی ہی ایجاد پر بہت خوش ہیں۔

بقول شخصے نان جو بار و غن گندہ و اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ
 اس لئے سلف صالحین کو بڑا کہتے ہیں ایٹھ دین اور ان کے
 اتباع حافظان شریعت و پاسبانان سنت ہیں۔ انہیں کے
 ذریعہ سے ہم کو دین پہنچا۔ انہوں نے بیان کیا فلاں حدیث
 صحیح فلاں ضعیف فلاں حدیث ناسخ ہے۔ فلاں منسوخ و ہی
 لوگ احادیث کے راوی ہیں۔ اور وہی ناقل۔ انہیں کی کتابوں
 سے آج تمام امت سند پکڑتی ہے اور انہیں کے اعتبار پر
 مدار کار ہے۔ اگر وہ ضعیف و شافعی ہونے کے باعث گمراہ تھے تو
 ان کی روایت کا کیا اعتبار ہے۔ امام بغوی۔ دارقطنی۔ نووی نہ ہی
 ابن حجر عسقلانی ابن عبد البر۔ طحاوی۔ زیلعی۔ ابن جوزی۔ ابن
 تیمہ حرانی۔ ابن قیم جوزی۔ محمد شروکانی۔ وغیرہ جو محدث اور فقیہ تھے۔
 اور صدکا اور ایسے بھی اکثر ارباب کے مذاہب کی طرف منسوب
 ہوتے تھے۔ اگر یہ سب گمراہ ہیں تو فرمائیے ہدایت والا کون ہے۔
 طالب حق کو چاہیے یزید کان دین کو اپنا پیشوا سمجھے اور ان کا
 اتباع کرے۔ یہیں مسئلہ میں خطا دیکھے۔ وہاں ان کی پیروی چھوڑ
 کر حق کا اتباع کرے۔ نہ خوارج کی طرف بدگوائی کرے۔ نہ
 روافض کی طرح اندھی تقلید میں پھنسے رہنا وغیرہ۔
 خواننا الذین سلبونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا
 غلا للذین امنوا لینا انت سرورنا و انت ربنا

بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے سابق تھے۔ ایمان
 میں اور نہ کہ ہمارے دلوں میں مومنوں کی برائی کا لگاؤ۔ اسے
 رب ہمارے بے شک۔ تو ہے مہربان رحم والا۔ دیکھو اس آیت
 سے بدظنی اور بدگوئی کی کیسی ممانعت پائی جاتی ہے۔ بلکہ بحکم
 اس حدیث نبوی کے من لہ شکر الذی من لہ شکر جو لوگوں کے شکر گزار
 نہیں۔ وہ اللہ کا شکر نہیں کرتا۔ ان کی مساعی جمیدہ کی شکرگزاری
 ہم پر واجب ہے۔ اگر ہم ملا صاحب سے سوال کریں۔ کہ جو کچھ آپ
 جانتے ہیں۔ یہ کہاں سے سیکھا۔ تو اور کچھ جواب نہیں پڑے گا۔
 سوا اس کے کہ مقرر ہوں یہ سب انہیں کافین ہے چہاں ہم یہاں
 آپ شرک کا اقرار کرتے ہیں کہ منہم کہ غرہ نامہ بنام صاحب تست
 علی ولی ملتہ بخاتم الخلفاء۔ میں ہوں جو میرے نام کی روشنی
 اے نبی اللہ تیرے یار کے نام سے ہے جس کا نام ہے علی خدا
 کا ولی اور خلفاء کا ختم کرنے والا۔ اس شعر میں آپ نے رسول
 خدا کو مخاطب کیا۔ اور بصراحت تمام یہ بات بتلائی۔ کہ غلام علی
 کے نام میں لفظ علی جس کی طرف لفظ غلام کی نسبت ہے۔
 وہ امیر المومنین علی کا نام ہے۔ خدا کا نام نہیں۔ یضاحون قول
 الذین کفروا قلہم اللہ۔ خدا ان کو مارے مشرکوں جیسی بات
 منہ سے نکالتے ہیں۔ خداوند کریم فرماتا ہے۔ لست لیستکمت
 المسیح ان یقول عین اللہ ولا الملئکتہ المقرعون۔ نہیں انکار

کرتا مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے۔ اور نہ مقترب فرشتے۔ تمام
 انبیاء اور حضرت خاتم المرسلین کا فخر ہے۔ کہ وہ اللہ کے بندے
 کہلاویں۔ اور جہاں پروردگار نے قرآن مجید میں کسی کو مہربانی
 سے یاد کیا ہے۔ اس کو عید کا لقب دیا ہے۔ افسوس آپ نے
 اپنے نام کی ایسی شرح کی۔ جو سارا بھرم کھو دیا۔ اگر کوئی اور شخص
 آپ کے نام کے ایسے معنے کرتا۔ تو ہم بلحاظ آپ کی مولویت
 کے کبھی اعتبار نہ کرتے۔ غیر خدا کی طرف۔ عبودیت کی نسبت
 کرنی شرک ہے جس کو شک ہو وہ اس آیت کی تفسیر دیکھ
 لے۔ فلما اتاھما صالحا جعلا لہ مشرکاء فاما قاحدا فقال
 اللہ عما یشکرکون ہم ابنا لیا صاحب سے۔ اس وقت مار کرتے
 ہیں۔ کہ غلام حسین اور میرا بخش اور نکا ہیا نام رکھنا بھی جائز
 ہے۔ یا نہیں بلینا الزجر و بیعت کو جو سنت ہے۔ بدعت
 کہنا اور مشابہت مشرکین پر فخر کرنا خاص مولا صاحب کا حق
 ہے۔ فالی اللہ المشتکی والیرسیح الہی۔ ناموں کو ہم
 ایک بات اور جتلاتے ہیں۔ کہ مولا صاحب نے اپنے قصیدہ
 میں دعویٰ کیا تھا۔ کہ اسماء مبارک نبی صلعم اسماء الہی کی
 طرح سب توفیقی ہیں۔ یعنی جو نام شریعت سے ثابت ہیں۔ اور
 قرآن و حدیث میں آئے۔ وہی اطلاق کے جائز ہونگے۔ اور ان
 ناموں کے اور نام اگرچہ وہی معنے رکھتا ہو۔ اطلاق کرنا درست

نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (اپنے پر لازم کر لیا کہ بحر اس نفل کے
 جو حدیث میں وارد ہوا ہے۔ استعمال نہ کروں گا) اور اس
 قصیدہ میں برخلاف شرط اور التزام کے ایسے ناموں
 سے آنحضرت کو نامزد کیا ہے جن کا کتاب اللہ اور سنت
 سے کچھ ثبوت نہیں مثلاً مکمل حیون حیا۔ ملیاے۔ حقیقی
 صفی۔ اگر دعویٰ ہے تو قرآن و حدیث سے یحیثہ ہی نام نکال
 کر رکھلاویں۔ اور ناظرین رسالہ ہذا اپنے اطمینان اور ہماری
 صداقت کے واسطے اسماء نبوی جو نود نہ نام الہی کے ساتھ
 چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ پڑھ کر دیکھ لیں۔ ان میں کہیں یہ نام نہ
 ہوں گے۔ بلکہ بعض نام تو ایسے ہیں۔ کہ ان کا خلاف شریعت
 سے پایا جاتا ہے۔ مثلاً مقتدا سے ملایاے حضرت فرماتے ہیں۔
 کہ جبریل علیہ السلام میرے معلم تھے۔ اور نماز سکھانے کو میرے
 امام ہوئے۔ اور آپ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ مقتداے ملائیک
 یہ ہیں کتاب و سنت کہیں ثابت کرو۔ جو رسول اللہ مقتداے ملائیک
 ہیں۔ اللہ فرشتوں پر آپ کی اقتدا لازم ہے۔ ہمارے نزدیک اسماء
 نبوی توقیفی نہیں ہیں۔ کیوں کہ اسماء نبوی کے توقیفی ہونے پر کوئی
 دلیل کتاب و سنت۔ بلکہ کوئی قرآن کبرائے امت سے نہیں
 پائی جاتی ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں۔ جو تعریف اور بزرگی کے نام
 ہیں۔ (سوائے حضرت باری تعالیٰ کے) سب آپ کی ذات بابرکات

پر اطلاق ہو سکتے ہیں۔ ہمیں صرف یہ جھٹلانا منظور ہے۔ کہ ملا صاحب اپنی بات کے بھی پابند نہیں ہیں۔

مغالطہ کیا۔ جاننا چاہیے کہ فقہار عہم اللہ نے استعمال آیات قرآنی اپنی کلام سے خواہ تفسیریں سے ہو۔ خواہ اقتباس سے منع فرمایا ہے۔ اور کفر لکھا ہے۔ تفسیریں اور اقتباس قریب المعنی ہیں۔ حاصل معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ دوسرے کی کلام کے مضمون کو اپنی کلام کے مضمون میں لے آنا۔ اور اس کو اپنی جنس کلام سے کر دینا اور سابق پہلے کلام سے نکال دینا۔

ہدایہ۔ ملا صاحب نے اقتباس اور تفسیر کے یہاں ایسے معنی بیان کئے جو بالکل غلط ہیں۔ آپ فرماتے ہیں تفسیریں اور اقتباس کے معنی ہیں کسی کی کلام کا مضمون اپنی کلام میں لانا۔ اس غلطی سے صاف ثابت ہے کہ آپ کو تعلیم سے بالکل محسوس نہیں۔ شاید تلخیص بھی نہیں پڑھی۔ صاحب تلخیص لکھتا ہے۔ اصوات التضمین فہو ان لیضمن الشعر الخیر یعنی تفسیریں یہ ہیں کہ دوسرے کے شعر کو بالفاظ اپنے شعر میں کوئی لے آوے بلکہ غیاث اللغات بھی نہیں دیکھی۔ غیاث اللغات میں ہے۔ تفسیریں در آوردن شعر مشہور دیگر یا۔ در شعر خود اور تلخیص میں ہے۔ واما الاقتباس فہو اس لیضمن الکلام مثلیاً صوفی القراءات او المحذویش لافہ منہ اور غیاث میں ہے۔ اقتباس ہند کے اندر

قرآن یا حدیث در عبارت خود آوردن بے اشارت یعنی اقتباس
 کیا چیز ہے۔ اپنی کلام کے ضمن میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث
 کا کچھ حصہ لانا بدون جملہ اسے اس بات کے یہ قرآن یا حدیث میں
 سے ہے۔ غرض شعر کی تفسیر کو اصطلاح میں تفسیر کہتے ہیں۔ اور آیت
 و حدیث کی تفسیر کو اقتباس کہتے ہیں۔ دونوں کو ایک کر دیا۔ اور تفسیر
 و اقتباس میں جو یہ شرط تھی کہ شعر یا آیت و حدیث کو بالفاظ
 اپنی کلام میں داخل کرے۔ بدل کر نقل معانی کو تفسیر و اقتباس
 مقرر کر دیا۔ اور یہ قید (پہلے سیاق سے نکال دینا) اپنی طرف
 سے بڑھادی۔ صاحب تفسیر لکھتا ہے۔ وهو ضربان
 ۱۔ المتقل فیہ عن معناه الی صلی علیہما تقدم و خلا فہ
 یعنی اقتباس دو قسم ہے۔ ایک وہ جو معنی اصلی سے نہ پھرا
 جاوے۔ دوسرا وہ جو معنی اصلی سے منتقل ہو جاوے۔ غرض
 دونوں قسم کو اقتباس کہنا جاتا ہے۔ ایک ہی میں حصہ نہیں۔
 باقی رہا تحقیق مسئلہ اقتباس واضح رہے۔ کہ کلام اللہ کا
 اقتباس جائز ہے۔ چنانچہ ہدایت نمبر ۱۱۱ میں بحوالہ احادیث
 و آثار ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں۔ اس مقام پر بھی چند روایات
 پیش کی جاتی ہیں کہ حق از باطل معلوم ہو جاوے۔ جب رسول
 اللہ صلی علیہ وسلم خیر کو پہنچے۔ یہ کلام فرمائی۔ انا انزلنا بسا حتم
 قسم صبا و صبا ح المندوب قرآن مجید میں ہے۔ فاذا نزل

بسا حنظلهم فساء صباح المنذرین۔ نزل غائب کا صیغہ مقام جہم کا
 فاعل ہے عذاب آنحضرت نے نزلنا جمع متکلم کا صیغہ فرمایا۔ اور
 ضمیر جمع کو فاعل بنایا۔ اور ایسا ہی لفظ ہم جو راجع ہے۔ طرف
 کفار لگے کے حذف کیے اس کی جگہ قوم فرمایا۔ اور اہل خیمہ کو
 مراد رکھا۔ اور قربانی ذبح کرتے وقت فرمایا۔ انی وجہت وجهی
 للذی فطر السموات والارض علی صلیۃ ابراہیم حین فارما
 انا من المشرکین۔ قرآن مجید میں حکایت ہے۔ ابراہیم علیہ
 السلام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے آپ کو
 فاعل وجہت کا ٹھہرایا۔ اگر رسول اللہ کو فاعل وجہت نہ بناویں۔
 تو لفظ علی صلیۃ ابراہیم (جو حال ہے فاعل وجہت سے) نہیں
 بنتا۔ اور فرمایا بادری والاعمال سبعا لیل قواہ والسااعۃ الساعۃ
 ادھی واصر۔ جملہ والسااعۃ ادھی واصر آیت قرآنی ہے۔
 آپ نے اپنی کلام میں ملائی۔ اور فرماتے تھے۔ اللہم فالق الا
 صباح وجاعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا اقض
 عنی الدین واغننی من الفقر۔ فالق الا صباح حسبانا تک
 قرآن کی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا کے ضمن میں اسے۔
 حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ قد ضللت اذا ما انا من المتہدین
 اقض فیہا بما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث یعنی تحقیق میں گمراہ ہو
 جاؤں (اگر ابو موسیٰ کے موافق فتویٰ دوں) اور نہ ہوں میں راہ

پانے والوں سے میں حکم کروں گا۔ وہ جو حکم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر ان میں قن ضلالت کے متکلم رسول اللہ ہیں۔ اور ابن مسعود نے اپنے آپ کو متکلم ٹھہرایا۔ اور آیات قرآنی کو اپنی کلام میں درج کر دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر نے کہا۔ طائف رسول اللہ صائم بین الصفا والمروة سبعة اوقات کلمہ فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ قن کان حنتہ تک قرآن مجید کی آیت ہے۔ عبد اللہ بن عمر اپنی کلام کے سیاق میں لائے اور ابو بکر صدیق نے اپنے وصیت نامہ میں لکھوایا۔ انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا له واطيعوا وادع الی الله ورسوله ودينه ونفسی وایاکم خیرا فان عدل فی ذلک ظنی به وعلمی فیه وان عدل فکل امرئ ما اکتسب والخیر ردت ولا احکم الغیب وسمیع الذین ظلموا اکی منقلب یتقلبون واسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته آیت قرآنی کو اپنی کلام کے ضمن میں داخل کر دیا۔ ان روایات سے اقتباس کے دونوں قسموں کا جواز ثابت ہوا۔ اور اس قسم کی روایات صحیحہ بہت ہیں۔ ان کے استیعاب کے واسطے سفر جلیل چاہیئے۔ اس مختصر میں سب کا استیعاب ناممکن ہے۔ پس اگر کوئی گنہام فقیہہ بر خلافت حدیث نبویہ وقواعد فقیہہ مسلمانوں کو نا حق کافر کہے گا۔ تو کیا وہ فی الواقع کافر

ہو جائیں گے۔ معاذ اللہ بلکہ وہ خود فقیہ نہیں جو ایسا فتویٰ
دے۔ فقہ سائیکے نزدیک اگر سوجہ کفر کی ہو۔ اور ایک اسلام
کی۔ تو بھی کافر کہنا جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بھی وجہ کفر
اور برائی کا نہ ہو۔ اور لوگوں کو کافر کہا جائے۔ خاص کر ملاح صاحب
پر سخت افسوس ہے۔ اتباع حدیث کے مدعی ہو کر ایک فقیہ
کے کہنے پر صرف اقتباس کلام الہی کے سبب سے جو اخبار و آثار
سے ثابت ہے۔ مختلف ناموں کو کافر بتلاتے ہیں۔ اور انہی تقلیدیں
پڑتے ہیں۔ طرفہ یہ ہے کہ جتنی مثالیں ملاح صاحب تفسیرین و اقتباس
کی لائے ہیں کسی مرتبی سے وہ ٹھیک نہیں۔ صحیح معنی تو آپ
جانتے ہی نہ تھے۔ خانہ سناہ تعریف کے موافق بھی ان مثالوں میں
تفسیرین نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ ہم موافق ہرگز تعریف کے آپ
کے سفید ہات کا جواب دیں گے۔

مغالطہ یہ تھا۔ اب چند مثالیں اقتباس اور تفسیرین کی فازی
اور عربی سے لکھی جاتی ہیں۔ مولوی جامی فرماتے ہیں۔ بیت
شہ از سبوح میان گردوں صلاوہ۔ کہ سبحان الذی اسری بعبدہ
مولوی صاحب نے پہلے مضمون کے مضمون سے آیت سبحان
الذی ملانی ہے۔ اور قرآن کے سیاق سے نکال دیا۔

ہدایہ۔ آپ کے نزدیک تفسیرین اور اقتباس ایک چیز ہے۔
اور دونوں کی تعریف یہ ہے۔ جو دوسرے کی کلام کا مضمون اپنی

کلام میں لاوے۔ اس شعر میں بالفاظ دوسرے کا قول نقل کیا گیا ہے۔ پس نہ تفسیریں پائی گئی۔ اور نہ اقتباس اور موافق اصطلاح کے اس کو تفسیریں نہیں کہہ سکتے تفسیریں کی تعریف ہے۔ دوسرے کا شعر اپنے شعر میں درج کرنا اور آیت سبحان الذی شعر نہیں۔ یہ با اقتباس اصطلاحی بظاہر اس شعر میں پایا جاتا ہے۔ مگر شاعر نے سبحان الذی کو قول ملائکہ کہہ کر اپنے شعر کے مصرعہ آخری میں درج کیا ہے۔ نہ ایسے طور پر کہ قول حق جل و علی ہونے کا احتمال بھی باقی ہو۔ الغرض اس شعر میں تفسیریں و اقتباس کسی طرح پائے نہیں جاتے۔ ہاں مولوی جامی پر اس نقل کی تصحیح کا سوال باقی ہے۔

صفا اللطیف کا۔ اور سعدی صاحب فرماتے ہیں۔
 نہ مینہ ازہ قرین بد نہ ہمارہ و وقتار بنا عذاب النار
 اور حافظ کہتا ہے۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن حوالہ شد و شبوہ جنات تجری تحتہ الانہار شد
 دیکھو دونوں شاعروں نے قرآن کو سیاق سے نکال دیا ہے۔
 اور اپنی کلام میں درج کر دیا۔

ہذا ہے۔ کسی تعریف کے موافق ان دونوں شعروں میں تفسیریں نہیں۔ اور قرآن کو سیاق سے نکالا۔ سعدی نے قرین بد کی تکلیفوں اور برائیوں کو عذاب جہنم نہیں ٹھہرایا۔ اور

موزی ہم نشین کی محاورت کو دوزخ قرار دے کر یہ آیت نہیں
 پڑھی۔ اس کے صحیح معنی یہ ہوتے۔ کہ اسے پروردگار بڑی صحبت
 سے محفوظ رکھے۔ تاکہ ہر وقت کے ملاپ سے میرے دل کا میلان
 اس طرف نہ ہو جائے۔ اور اس میلان کے سبب تیرا
 قہر نازل نہ ہو۔ چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ولا تتركوا الى
 الذين ظلموا فتمسكم النار اور تم مرت جھکوظالموں کی طرف
 پس تمہیں چھوئے گی آگ۔ حضرت شیخ نے بڑے بار کو موجب
 دخول نار جان کر اس کی صحبت سے پناہ چاہی۔ اور دھلسے
 ماثورہ پڑھی۔ آپ اگر اس پر بھی کافر کہتے ہیں۔ تو اس کا
 انصاف اللہ کے سامنے ہوگا۔ اور حافظ نے اپنے شعر میں کسی
 کا مضمون نقل نہیں کیا۔ الفاظ نقل کئے ہیں۔ آپ کی اصطلاح
 کے موافق تفسیر اور اقتباس نہیں پایا جاتا۔ اور اصطلاح علماء
 کے بموجب تفسیر نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ جنات تجدی کسی
 کا شعر نہیں۔ ہاں اقتباس ہے۔ لیکن قرآن کو سیاق سے نہیں
 نکالا۔ حافظ نے لفظ شیوہ کہہ کر اس شبہ کو دور کر دیا یعنی
 چشم حافظ نہر اور قصر شاید جنت نہیں۔ بلکہ حافظ کا رونقصر
 کے نیچے کھڑا ہو کر جنات تجری تختہ الانہار سے مشابہت
 رکھنا تھا۔ آپ نے غضب کیا۔ قصیر فہم سے شعروں کے معنی
 بگاڑ کر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اگر ایسا ہی ہے تو آپ

کے اس رسالہ کے اول القسم لکھی ہے۔ اور آخر میں الحمد للہ
رب العالمین اور علی اللہ المشتکی و ہو علیہم بذات الصدور اب
خود اپنے حق میں اس اقتباس کرنے پر کیا فتویٰ دو گے ایک
پر جستہ جواب میں آپ کو بتلاتا ہوں۔ آپ کہہ دیں ہم
مرفوع القلم ہیں۔

مرخا لہ البوقاسم رافعی کا قول ہے۔ شعر
و دعہم و نزعہ المملک یوم غرورہم : فسیبعلون غدا من الکذاب
آیت قرآن میں مرجم عام ہے۔ اور اس نے مرجم اس
کا بادشاہوں کو ٹھہرایا ہے۔ جو اپنے دعوے پر غرور کرتے ہیں۔
اور قرآن کو سیاق سے نکال دیا۔

ہد آپ۔ ملا صاحب کی تعریف کے موافق اس شعر
میں بھی تفہیم اور اقتباس نہیں پایا جاتا۔ اور یہ جو آپ فرماتے
ہیں۔ (آیت قرآن میں مرجم عام ہے اور قرآن کو سیاق سے
نکال دیا) مرجم عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ خاص قوم صارح
کا ذکر ہے۔ اور اگر مرجم عام فرض کیا جاوے۔ جیسا آپ نے بیان
فرمایا ہے۔ تو اس صورت میں کچھ اعتراض ہی باقی نہیں رہتا۔
کیوں کہ حکم عام اپنی تمام افراد پر صادق آسکتا ہے۔ مثلاً ان
اللہ لو یهدی کیل الخائنین۔ اللہ نہیں چلاتا فریب
و غابانہ کے حق میں ہے اور ایسے ہی دہلی للمطففین خرابی

ہے کم تو لے والوں کو اس آیت میں تمام کم تو لے والوں کو وعید ہے۔ اگر بوقت وعظ آپ ان آیات قرآنی سے کسی نصیحت کنندہ یا کم تو لے والوں کو ڈرائیں گے۔ تو بغضتہ فقیہہ گناہ طانہم ہوئے گا۔ ہرگز نہیں۔ حکم باعتبار مورد عام ہو یا خاص عام سمجھا جائے گا۔ اور تمام افراد کو شامل ہو گا۔ صحابہ سے لے کر آج تک علماء کا یہی طریقہ ہے۔ صورت خاص ہیں دلیل عام سے سند پکڑتے ہیں۔ ایسا ہی شاعر نے سلطنت پر غرور کرنے والوں کو ڈرایا ہے۔ الغرض چاروں شعروں میں ملاً صاحب کی تعریف کے موافق تضحیں اور اقتباس نہیں پایا جاتا۔ اور تعریف صحیح کے موافق بھی کسی میں تضحیں نہیں اور نہ قرآن کو سیاق سے نکالا۔ **مغالطہ** کے اہتمام الفستادی میں ہے جو شخص بد لے کلام اپنی کے استعمال کلام اللہ کو کرے کافر ہو تا ہے جیسا کہ اثر ہام آدمیوں کو دیکھ کر کے فحش معنائیں جمعاً۔

ہدایہ۔ ملاً صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ کہ ہم ہر ایک مسئلہ کو آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت کریں گے۔ اور اس مقام میں بجائے کتاب و سنت کے ایسی کتابوں سے سند پکڑتے ہیں۔ جو ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں۔ ان ہی کلام اسماء صبیحہ ہا انتم و ابائکم ما انزل اللہ بہا من سلطان یہ صرف نام ہیں۔ جو سکھتے ہیں تم نے اور تمہارے

آباد اجداد نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کی (صحیح پر کچھ دلیل
 فرمایا اللہ جل شانہ نے ان احکام اکالہ حکومت نہیں کسی کی
 سوائے اللہ کے۔ کوئی کسی کے کہنے سے کافر نہیں ہوتا۔ صاحب
 تتمہ جیسے فقیر اور آپ جیسے ملا ہزار فتوے سچا ہیں۔ نہ یاد نہ
 افسوس اس بات کا ہے۔ جو آپ فقہاء کی غرض نہیں سمجھے۔ ان
 کا مطلب یہ ہے۔ کہ بجائے کلام اپنی کے بطریق استہزاء تو ہیں۔
 کلام الہی کا لانا کفر ہے۔ مطلقاً اقتباس منع نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ
 ظہیر میں صاف لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس پیالہ بھر کر
 لاویں۔ اور وہ دیکھ کر کہے کہ اس کا طریق مزاج ہے وہ کافر ہو
 جائے گا۔ پس اگر آپ صاحب فتاویٰ کی تقلید کرنی چاہتے
 تھے۔ تو یوں فرماتے۔ جو شخص آیت وحدیث سے ٹھٹھا کرے گا۔
 وہ کافر ہو جائے گا۔ آپ نے مطلق فقہین و اقتباس کو کفر
 ٹھہرایا۔ اور جن اہل مذاہب کو غرق بحر ضلالت کہتے تھے۔ انہیں
 کی تقلید سے خود گرداب ہلاکت میں غوطہ کھانے لگے۔
 مخالفہ ۱۷۱۔ اور محیط میں ہے شخص لوگوں کو جمع کر کے کہے۔
 فحشہ ناہم فلم نغادر منہم احدا یا کہے فجمعنا ہم جمعاً یا کہے۔
 فجمعنا ہم عندنا کافر ہوتا ہے۔
 ہدایہ۔ مصنف محیط کا حال معلوم نہیں۔ مگر ہمارے ملا
 صاحب کفر ان مجید میں کہاں مہارت کا دعویٰ ہے۔ شاید فقیر

فقہ کو قتل کرتے ہوئے غور سے نہیں دیکھا۔ ورنہ فحشیتنا
 ہم عندنا کو آیات قرآنی میں شمار نہ کرتے۔ اور اگر سبوح سمیع
 کہ آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں۔ تو یہ سمجھا جائے گا۔ کہ آپ کے
 نزدیک ائمہ بولی میں کلام کرنا کفر ہے۔

ہذا لطیف ۱۷۹۔ اور بدر الرشید یا صاحب فقہ فتاویٰ نے لکھا
 ہے۔ کہ سنائیں۔ بعض اکابر سے کہتے تھے۔ کہ جو امر کے مقام
 میں کہے۔ بسم اللہ جیسا کہ کوئی پوچھے کہ داخل ہوں میں یا پھر ٹھ
 حادوں یا کہے۔ آگے آؤں میں یا چلا جاؤں۔ میں وہ شخص جواب دے
 بسم اللہ یعنی میں نے تجھ کو آذان دیا۔ کافر ہو گیا ہے۔ اور نہ دینی
 آگے رکھ کر کہنا بسم اللہ کافر ہو گیا ہے۔

ہذا اپنا۔ اس معنی نے بڑی مٹو کر کھائی۔ اور ایسی بات
 کہی۔ جو خالی نہ جائے گی۔ جس کے معنی میں یہ فتویٰ تکفیر جباری
 کیا گیا ہے۔ اگر وہ مستحق اس کا نہ ہوا۔ تو کہنے والے کو ہرگز نہیں
 چھوڑتا۔ اتنی سمجھ بھی نہیں۔ کہ بسم اللہ کا متعلق اکثر مقدم ہوتا
 ہے۔ یعنی متکلم کی مراد ایسے موقع پر بسم اللہ کہنے سے یہ ہوتی
 ہے۔ ادخال بسم اللہ اور کل بسم اللہ جیسے کتابوں اور
 رسائل کے عنوان میں قدیم سے بسم اللہ لکھتے رہے ہیں۔ وہ سب
 کافر ہو جاویں۔ العیاذ باللہ۔ جس نے گھر میں آنے والے یا کوٹھے
 پر چڑھنے والے یا دسترخوان آگے چن کر کھانے والے کو کہا بسم

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اندر اسجا یا کوٹھے پر چڑھ جا۔ یا کھانا شروع کر دے۔ اس نے تیر کا و تعظیماً اللہ کا نام لیا۔ آپ فرماتے ہیں کافر ہو گیا۔ اس فتویٰ میں فقہاء سے بھی دس قدم آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے کتاب اللہ کی بے ادبی سے منع کیا تھا۔ آپ نے تعظیماً نام لینے سے بھی منع کر دیا۔

مخالطہ میں کہتا ہوں۔ کہ فقہاء نے لکھا ہے۔ ملا علی قاری خواہ غصے ہوں۔ یا راضی کیا بھلا کلمہ کفر کا جہاں میں مستعمل ہو جائے۔ تو جائز ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

ہدایہ۔ ملا صاحب آپ گھبرائیے نہیں ملا علی کی خطا اور تقصیر بتلائیے۔ کیا انہوں نے کسی آیت سے انکار کیا۔ یا حدیث سے سر پیرا ہے۔ جو آپ اس قدر ناخوش ہیں۔ اور کمال کراہت طبع سے انکو زمرہ فقہاء سے (جتنے سرگروہ آپ ہیں) دھکے دیکر باہر نکالتے ہیں۔ اگر صرف مسئلہ تکفیر کی مخالفت کے سبب آپ ناراض ہیں۔ تو اس میں ملا علی کا کچھ قصور نہیں۔ اس سلسلہ پر کوئی دلیل شرعی نہ تھی۔ ملا علی نے بے دلیل بات جہاں کر دے کر دیا۔ آپ کے پاس کوئی سند ہو تو لایئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ متفق ہو کر ملا علی قاری کو ملامت کریں گے۔ اور اگر کتاب و سنت سے سند نہیں ملتی۔ اور صرف صاحب فتنہ الفتادی اور امثال ذلک کا قول ہے تو ملا علی نے کچھ گناہ نہیں کیا۔ تمام اہل تحقیق یہ سند مسئلوں سے انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

بلکہ ملاً علی کا قول اُن سے ہزار درجہ بڑھ کر معتبر ہے۔ تعجب ہے ابھی آپ فقہاء کو گرداب غلاطی کے سوا لے کونے تھے۔ اور ابھی ان کے خلاف پر ملاً علی کو چڑھاتے گئے۔ گویا فقہاء انبیاء ہیں۔ ان کی مخالفت جائز نہیں۔

صفاً لہذا۔ نزول کا مروج خود پیغمبر خدا ہی ہیں صلعم اور ہم کا مروج قوم ہے۔

حدید۔ یہ آیت مکی ہے۔ کفار مکہ عذاب الہی پر دلیری کرتے تھے۔ اللہ نے یہ آیت ان کے حق میں نازل فرمائی ماقبل اس آیت شریفہ کا اس طرح ہے۔ افعذ ابنا ایستعجاون فاذا انزل بسا حتم فساء صبا ح المندربین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پس ہمارا عذاب یہ جلدی چاہتے ہیں۔ پس جس وقت... وہ (عذاب) ان اترے گا۔ ان کے میدان میں۔ پس بری ہوگی صبح پڑائے گئے لوگوں کی۔ نزل کا فاعل عذاب ہے۔ اور ہم کی ضمیر اہل مکہ کی طرف پھرتی ہے۔ سیاق قصہ کے مخالف اور تمام مفسرین کے خلاف، آپ نے یہ معنی بنائے ہیں۔ اب ہم آپ کو دیکھیں۔ یا آپ کی اس تفسیر کو۔ اللہ اکبر خربتہ نحیباً و افا انزلنا ایسا حۃ قرص صبا ح المخالفت والحمد لله رب العالمین۔

یا رب غفر انی طغیت اقلمتا یا رب معذرتک من الطغیان

بحيرة وجهك خير منسول به وينور وجهك يا عظيم الشان
 وبك المعاذرة ما ذمرك أن تغيث كل مله ولهفات
 ذلك المحامد كلها حمد آما يرضيك له يغني على الزمان
 وعلى رسولك افضل الصلوة السليم منك واكمل الرضوان
 وعلى صحابته جميعا والى
 تبعهم من بعد بالايمان

بیان واجب العلم

۴۔ آنچه را تم الحروف در این رساله براءت زمره صوفیه و اتباع ائمه اربعه
از طعن طاعنین و تشنیع مشنوعین نموده مقصود از مره صوفیه آن فرقه است که
اشغال و اذکار و وظائف ایشان موافق کتاب الہی و سنت نبوی باشد و اعظم
و نصائح ایشان ترویج توحید و سنت در و ترک و بدعت و تعلیم ایشان
اسماء الہیہ و اوصیاء ائمرہ و وظائف مائورہ و بیعت ایشان بر توحید و ترک و
معاصی و ثبات بر کتاب و سنت مصطفوی است و ما حسن ما قال الحافظ ابن
القیم صوفیہ سنیہ نبویہ، لیسوا اولی شط و الا ہندیان۔ نہ ترکیہ و براءت آن
طائفہ کہ خود را باسم صوفیہ مسمی نموده و مذہب ایشان حلول و اتحاد است و قائل
و جود مطلق اتصال و انفصال و طریقہ ایشان با ساحت محرمات و ترک فرایض و اوراد
و وظائف ایشان الفاظ ترکیہ و کلمات مہملہ و اسماء و مشائخ و بیعت ایشان بر امور
بدعیہ و طریق غیر مشرورہ و مواعظ و نصائح ایشان ترغیب بہ عبادت و تعظیم قبور و
تصویر شیخ و عرس پیران و اعمال ایشان اختلاط با زنان نامحرم مثل اختلاط
با مردان و حجاب از نسوان و مساوات محرمات با غیر محرمات و محبت اطفال و غیرہ
و غیر ذلک من الفواحش و اذواق و حالات ایشان از عناد و مزامیر و معازف
و رقص کہ این ہمہ از محرمات شرعیہ است اگرچہ مہینہ تحقیق الکلام فائیل ایاست
است مگر ما را از این صوفیہ بیزاری و براءت است و بغض و عداوت۔ در بین
زبان ہمیں فرقہ ملاحدہ و طائفہ طاعنیہ خود را بنام صوفیہ مسمی نموده عالمی
را از صراط مستقیم بہ راہ فسادات کشیدہ اند و جہانے را در لادریہ ہلاکت انداختہ ہوں

صاف و مسلمان پاک را لازم است که تلاش صوفیه سنیہ نبویہ کہ در عصر ما عنقاء
صفت گشته اند بکند و از حجاب است و صحبت فرقه آخرہ کہ جہانگیر شدہ اجتناب
نماید و لکن ما قیل و قالے بسا ابلیس آدم روی بہت پس بہر و نباید و او است
و مراد از اتباع ایہ آنہند کہ در قواعد اصولیہ و مسائل قیاسیہ مذہب امامی کہ بفکر
ایشان راجع آمدہ اختیار نمودہ و در مسائل منصوبہ اتباع امام الایمہ رسول البر
محی صلعم بر خود لازم گرفتہ و ہمیں است طریقہ اکثری از فقہاء محدثین در روش
جمہوری از متقدمین و متاخرین نہ ترک و منقبت متقدمین متعصبین کہ قول امام
را مثل وحی سماوی و فرمان نبوی میدانند و تصور شرعیہ را در مقابلہ قول امام
پس پشت می اندازند و این است طریقہ بعضی جہلہ از اتباع ایہ و روش بعض
نکاحہ بامشیخ و اساتذہ اعادنا الہ منہم کہ عین و مذہب برایشان طلب شدہ
فرق در دین مذہب نمی توانند اتباع خصوص دین است و ترک تصور
در مقابلہ قول امام اعراض است از دین و تقلید امامے در قواعد اصولیہ
و مسائل قیاسیہ مذہب است لیکال فلان علی دین محمد و مذہب فلاں پس
دین و مذہب را واحد دانستن و در میانش تمیز نہ نمودن عین حق و
جہالت است و محض نادانی و سفاہت چنانچہ بایں مضامین درین
رسالہ مجابجا اشارہ رفتہ۔

اضافہ جدیدہ

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ارشاد تصوف و سلوک کے بارے میں :-
 آپ رسالہ تصوف و سلوک کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں :-
 اب رہا حضرت عمر فاروقؓ کا ترویج علوم احسان و یقین میں جو آج کل "علم تصوف و علم سلوک" کے نام سے موسوم ہے۔ اس سے زیادہ جتنے کہ ہم اس سب کا احصار کر سکیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم سب نہیں تو بعض مباحث ضرور ایک رسالہ کی صورت میں جمع کر دیں۔ جس سے دو فائدے مترتب ہوں گے۔ اول منزلت حضرت عمر فاروقؓ پر واقفیت ہوگی۔ دوم یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔ کہ یہ علم خلفائے راشدین سے ثابت ہے۔ اور بدعت نہیں ہے۔ کہ بعد قرون ثلاثہ پیدا ہو گیا ہے۔ کما ظن من لبس لہ، نصیب فی علوم الحدیث جیسا کہ ان لوگوں کا گمان ہے۔ جنہیں علم حدیث سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔ ازالۃ الخفاء اور مقصد دوم ص ۲۹

(۲) اہام کی حقیقت اور تصوف و سلوک کو بدعت سمجھنے والے حضرات کے مبلغ علم نیز فقہ امام اعظمؒ

کی فضیلت کو سمجھنے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی

سرسندی کا ارشاد مکتوب ۱۱۱۱ و فتر دوم :-

حضرت عیسیٰؑ اس شریعت کی متابعت اور حضورؐ کی سنت کا اتباع کریں گے۔ کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں۔ عجب نہیں کہ علماء و ظاہر حضرت عیسیٰؑ کے مجتہدات اور دقیق ادب پر شہید ہونے کے باعث انکار کر جائیں۔ اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف جانیں حضرت عیسیٰؑ روح اللہ کی مثال حضرت امام اعظم کو فی دہ کی سی ہے۔ جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے۔ جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کے مجتہدات کو وقت معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں۔ اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی حقیقت اور روایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔ امام شافعیؒ نے کہ جس نے ان کی فقہیت کی باریکی سے غور اس حصر حاصل کیا ہے۔ فرمایا ہے۔
 اَلْفُقَّهَاءُ كُلُّهُمْ عِیَالٌ اَبی حنیفہؒ ان کم ہمتوں کی عزت پر افسوس کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔ اور یہ جو خواجہ فخر پارسیؒ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ انزل کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے موافق عمل کر سکتے تھے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام

ابو حنیفہؒ کو حضرت علیؑ کیساتھ ہے لکھا ہو یعنی ان کا اجتہاد حضرت
امام اعظمؒ کے اجتہاد کے موافق ہو گا۔ نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ
حضرت عیسیٰؑ کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں بلکہ کلفت و
تعصب کہا جاتا ہے۔ کہ اس مذہب حنفی کی لورائیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی
طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حقوی اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر
میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو اہل اسلام سے سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ
امام اعظمؒ کے تابعدار ہیں یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع
میں تمام مذہبوں سے الگ اور استنباط میں اس کا طریق علیحدہ ہے اور یہ معنی
حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام اعظمؒ سنت کی پیروی
میں سب سے آگے ہیں۔ حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح مٹا
کے لائق جاننے اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اور ایسے ہی صحابہ کے قول
کو حضورؐ کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جاننے ہیں دوسروں
کا ایسا حال نہیں پھر بھی مخالف انکو صاحب رائے کہتے ہیں۔ اور بہت بے ادبی
کے لفظ ان کی طرف منسوب کرنے ہیں حالانکہ سب لوگ ان کے کمال علم و درجہ
و تقویٰ کا اقرار کرتے ہیں حق تعالیٰ انکو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اسلام
کے رئیس سے انکار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو اندازہ دیں۔ یہی پیدل و دان الی
یطاعہ تیرا اللہ وہ لوگ جو دین کے ان بزرگواروں کو صاحب رائے جانتے ہیں اگر
بہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی حکم کرتے تھے۔ اور کتاب و سنت
کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ تو ان کے ذہن خیالی کے مطابق اہل اسلام کا ایک سواد اعظم

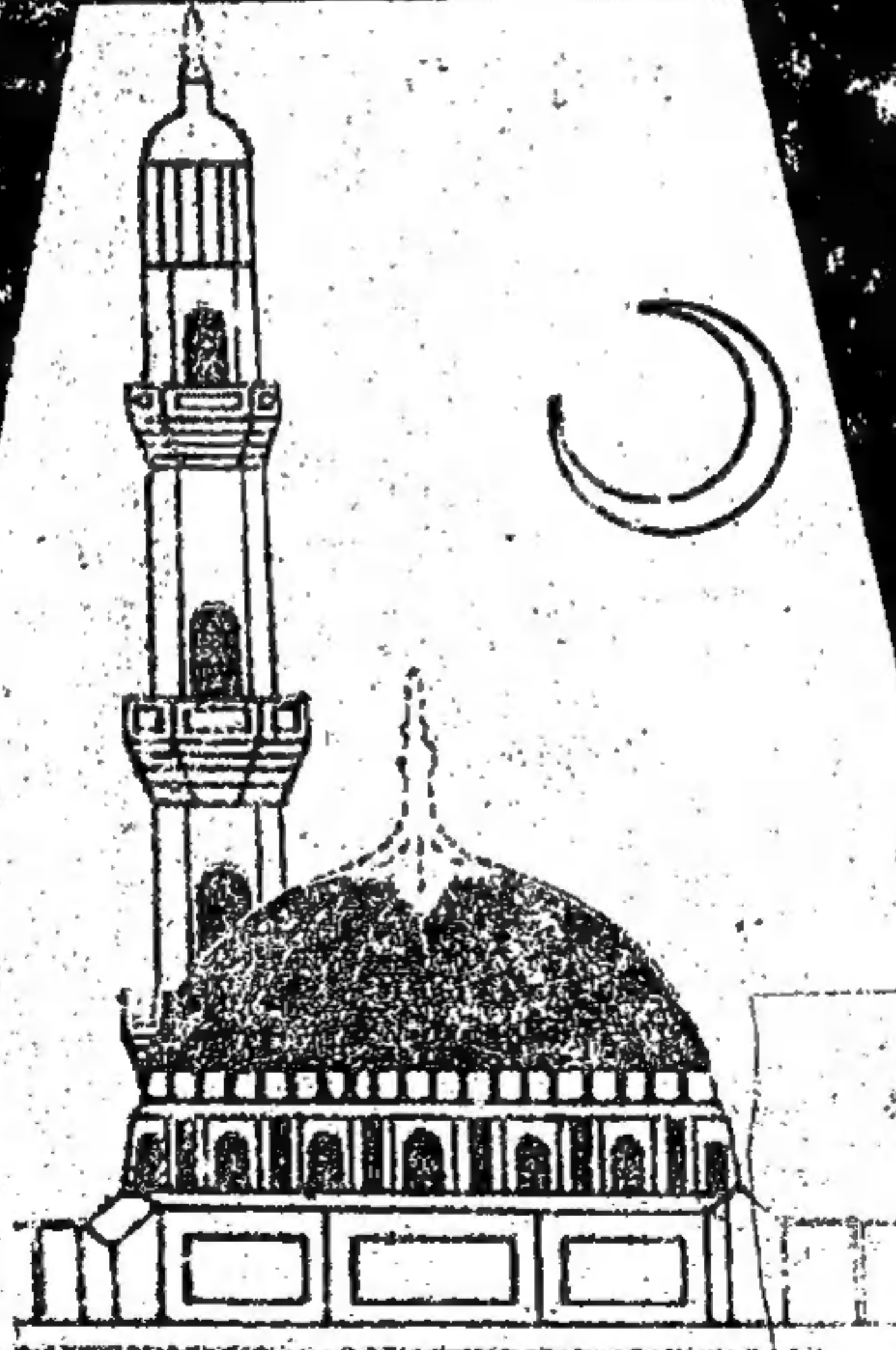
مگر اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد وہ بیوقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ نزدیک حبیب کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حریف باطل ہو جائے۔ ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے۔ اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے۔ اور اپنی معلوم کے ماسوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا انکا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ چوں آں کرے کہ در سنگے نہاں سنت : زمین و آسمان اور ہماں است ان کے یہودہ لعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزار افسوس ہے فقہ کا بانی ابو حنیفہ ہے اور فقہ کے تین حصے اسکو مسلم ہیں اور باقی چوتھے مسجد میں سب شریک ہیں فقہ میں صاحب خانہ وہی ہے۔ اور دوسرے سب اسکے عیال ہیں باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعیؒ سے محبت ذاتی ہے اور میں اسکو بزرگ جانتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و تقویٰ کے امام اعظمؒ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ والہمراہی اللہ سبحانہ

سوال :- جب دین کتاب و سنت سے کامل ہو گیا۔ پھر وہ کوئی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔ جواب :- الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات ثابت کرنے والا جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان عقائد و اسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اگرچہ دونوں میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنا ہے جس شانہ کی طرف پس الہام میں ایک قسم کی احوال پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام نبی کے اس اعلا م کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ الہام قطعی

اشباہ الایہام والبیعت

مفت

حضرت مولانا عبدالحق صاحب غزنوی



ناشر
حقیق پبلیشرز مارٹ لہائی بازار سیالکوٹ